جلد ۱۰۰ — فروری ۱۹۸۳ء — عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مؤسس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ تعالیٰ

ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

سفینۂ نجات

از

مولانا جلیل احسن ندوی

کا نیا ایڈیشن

طبع ہو کر آگیا ہے تاجران کتب

اور قارئینِ کرام اپنی مطلوبہ تعداد

کے لیے پہلی فرصت میں اپنے

آرڈر سے مطلع فرمائیں۔

سائز ۲۳ × ۱۸ / ۸ خوبصورت کور

قیمت : ۲۸/۵۰ روپے

مولانا مودودی کے سیاسی افکار

از

عبد الکریم عابد

کا نیا ایڈیشن

طبع ہو کر آگیا ہے تاجران کتب

اور قارئینِ کرام اپنی مطلوبہ تعداد

کے لیے پہلی فرصت میں اپنے

آرڈر سے مطلع فرمائیں۔

سائز ۲۳ × ۱۸ / ۸ خوبصورت کور

قیمت : -/۲۴ روپے

ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ - لاہور

رحمان مارکیٹ - غزنی سٹریٹ - اردو بازار

فہرست مضامین

جلد ۱۰۰ | فروری ۱۹۸۴ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ۔ لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۰۳۱۶

زر سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ ۳/- روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دین خدا کی طرف سے ایک رحمت ہے اور اس میں انسانیت سے محبت کی رُوح کام کرتی ہے۔ دین خدا کی محبت کا سرچشمہ دلوں میں جاری کرتا ہے اور پھر اس سے محبتِ صداقت اور محبتِ انسانیت کے دھارے بہ نکلتے ہیں۔ محبتِ انسانی کی معراج اخوت ہے۔

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا

ترجمہ: پھر اُس نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت بھر دی اور تم بھائی بھائی بن گئے۔

حضورؐ نے فرمایا: "لا تدخلوا الجنۃ حتّٰی تؤمنوا ولا تؤمنوا حتّٰی تحابوا"

ترجمہ: تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم صاحبِ ایمان نہ بنو اور تم صاحبِ ایمان نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو۔"

صبر، تحمل، رواداری، ہمدردی، رحم دلی، ایثار، خیر خواہی، مدارات، تواضع، حلم وغیرہ بے شمار خوبیاں ہیں جن کے سوتے سرچشمۂ محبت ہی سے پھوٹتے ہیں۔ بصورتِ دیگر اگر نفسانیت کی گدلاہٹ چشمۂ دل میں پیدا ہو جائے تو پھر متذکرہ خوبیوں کے بجائے کبر، حسد، نفرت، انتقام، تصادم، اشتعال، غیبت، تشدد، جتھے بندیاں، سازشیں اور اس طرح کے

دوسرے رذائل انسان کی زندگی پر چھا جاتے ہیں - کچھ لوگ ہو سکتا ہے کہ اپنی ذات کے خول کو بڑا خوشنما بنائے رکھنے کے ماہر ہوں، مگر اس خول میں کوئی نہ کوئی منفی خصلتیں (ایک یا زیادہ) مخفی ہوتی ہیں - اور بس کبھی کبھی وہ جھلک دکھا کر اپنے لیے شہادت فراہم کر دیتی ہیں -

آنحضورؐ نے محبت کا ایک تقاضا یہ بتایا کہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرو، جو کچھ اپنے لیے کرتے ہو، یعنی تم اپنے ساتھ کیسا برتاؤ چاہتے ہو؟ تم دوسروں کی طرف سے کس لہجے میں بات کرنا پسند کرتے ہو؟ تم کبر اور تحقیر کو دوسروں کی طرف سے اچھا سمجھتے ہو؟ تمہیں کیا کسی ساتھی کی انانیت مرغوب ہوتی ہے! تم کیسا مال پسند کرتے ہو؟ کیسی عزت اپنے لیے چاہتے ہو؟ کیا تمہیں اچھا لگتا ہے کہ بات بات پر لوگ تمہیں مجرم ٹھہرائیں؟ کیا تم ضد اور ہٹ دھرمی کے مظاہروں کو پسند کرتے ہو؟ کیا تم کو دھمکیاں دی جائیں تو تم خوش ہوتے ہو؟ پس جو جواب تم ان سوالوں کا اپنے لیے چاہتے ہو وہی اپنے ہر بھائی کے لیے چاہو -

محبّت ذریعۂ ہم آہنگی ہے، محبت ایک دوسرے کا احترام سکھاتی ہے، محبت دلوں کو جوڑتی ہے، محبت ازالۂ شکوک وشبہات کا ذریعہ بنتی ہے، اور محبت پر ذہنی صحت مندی اور کردار کی مضبوطی کا انحصار ہے -

محبت ہو تو آدمی اپنے اقربا اور رفقا کی خوبیوں اور اُن کے فضائل کی قدر کرتا ہے، ان کی کمزوریوں سے درگزر کرتا ہے، اور اگر کسی کمزوری کی اصلاح مطلوب ہو تو ایسے خیر خواہانہ اسلوب سے ملتا جلتا اور بات چیت کرتا ہے کہ اختلافات کے پہاڑ رُوئی کی طرح اُڑ جاتے ہیں -

محبت دوسروں کے دلوں کو نرم کر دیتی ہے اور محبت ذہنوں کے بند دروازے کھول دیتی ہے - کسی کو بھائی کہہ کر (اور حقیقتاً سمجھ کر) بلانا، پاس بٹھانا، خود اُس کے پاس چلے جانا، اس کے شکوک دُور کرنا، اُس سے شکایت ہو تو خوبصورت طریق سے بیان کرنا، یہ سب کچھ بہترین نتائج کا ذریعہ بن جاتا ہے -

محبت ہوتی ہے تو آدمی دوسرے بھائی کو معاف کرنے کے لیے بآسانی رضامند ہو جاتا

ہے اور محبت ہی یہ ترغیب بھی دلاتی ہے کہ ایک شخص خود آگے بڑھ کر دوسرے سے اپنی کسی غلطی پر معافی مانگے۔

محبت سے دل مالا مال ہو تو وہ کسی دوسرے کی کمزوری دیکھنے سے پہلے اپنے احوالِ دروں اور اعمالِ ظاہر پر بھی نظر ڈال لیتا ہے۔

محبت دوسروں سے خراج نہیں مانگتی بلکہ وہ اپنی طرف سے دوسروں کے لیے ایثار کرتی ہے۔

محبت ہو تو آدمی اپنے سے اوپر والوں کا احترام کرتا ہے اور اپنے سے نیچے والوں سے شفقت رکھتا ہے۔

محبت احترامِ آدمیت پیدا کرتی ہے اور ایک بھائی بڑے سے بڑے مرتبے پر ہو کر بھی کسی کو چھوٹا اور ادنیٰ قرار نہیں دیتا۔ ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے، اور سارے انسان اس کے دیے ہوئے اعزاز سے مالا مال ہیں، خصوصاً وہ لوگ جو کلمۃ اللہ کے قائل ہوں، وہ چاہے امیر ہوں یا فقیر ایک خاندان ہیں۔

محبت ہو تو سینے میں کسی کے لیے کینہ بھرا نہیں رہ سکتا۔ اور سینۂ بے کینہ سے جو بات نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔

محبت دعوتِ حق کو پھیلانے کے لیے بھی اشد ضروری ہے۔ جو شخص یہ کام کرنا چاہے اس میں اتنا حوصلہ ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کی طرف سے نہ صرف تنقید اور اعتراض ٹھنڈے دل سے سُنے بلکہ ان کی بدکلامی اور یاوہ گوئی بھی برداشت کرے۔

محبت کا جوہر پاس ہو تو آدمی دشمنوں سے بھی بات کرنے سے نہیں جھجکتا۔ لیکن اگر لوگوں سے نفرت ہو تو پھر بہترین دلائل بھی کارگر نہیں ہوتے۔

محبت کی فضا میں دلائل کا وزن اور بڑھ جاتا ہے۔ جب کسی کو یقین ہو کہ ایک ایسا شخص مجھ سے بات کر رہا ہے جس میں نہ کبر ہے، نہ تحقیر ہے، نہ وہ کسی اونچائی پر کھڑا ہو کر بول

رہا ہے، بلکہ وہ مجھ تک محض اس لیے ایک پیغامِ فلاح پہنچا رہا ہے کہ اس کے دل میں میرے لیے محبت اور خیر خواہی ہے تو وہ بات سنتا ہے اور اس سے اثر لیتا ہے۔ اگر فوراً نہیں تو کچھ مدت کی مساعیٔ پیہم کے نتیجے میں اس کے اندر تبدیلی نمودار ہوتی ہے۔

لوگ جب ایک دعوت کے علمبرداروں میں ایک مدت تک محبت کا نور جلوہ فرما دیکھتے ہیں، کوئی جھگڑا ان کے سامنے نہیں آتا، کوئی گالم گلوچ اور ہاتھا پائی نہیں ہوتی۔ اختلافات پر رسہ کشی کا تماشا دکھائی نہیں دیتا۔ کہیں وہ ان کو ایک دوسرے کے خلاف غیبت کرتے اور غائبانہ طور پر الزام لگاتے نہیں دیکھتے ہیں، کہیں وہ ان کی الگ الگ ٹولیوں میں کھسر پھسر کا دور چلتا نہیں پاتے تو پھر وہ ایسے لوگوں کے مجموعی طرزِ عمل سے متاثر ہو کر آہستہ آہستہ ان کے قریب ہوتے اور ان کی دعوت قبول کرتے ہیں۔

صاحبِ دعوت کے طرزِ عمل کے کسی پہلو میں محبت کے بجائے اگر نفسانیت کارفرما ہوتی ہے تو خوشنما ساحرانہ لفاظیوں سے اوّل تو کوئی بڑا نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر اِکّا دکّا افراد جذباتی اثر لے بھی لیتے ہیں تو اندر چھپی ہوئی غلاظتوں کے وہ جس قدر قریب جاتے ہیں اور ان کی بدبو اور سڑاند محسوس کرتے ہیں تو وہ یا تو ساتھ چلتے ہوئے خود بھی بگڑتے ہیں اور دوسروں میں بھی مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں، یا پھر وہ کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں۔ اور پھر کوئی خوشنما نعرہ اور کوئی پُرجوش مظاہرہ ان کو کھینچ کے واپس نہیں لا سکتا۔

محبت میں انسانوں کے لیے کشش ہے — بیوی بچوں کے دائرے میں، پڑوسیوں اور دوستوں کے دائرے میں، رفیقوں اور ہم سفروں کے دائرے میں، ایک دفتر اور ایک ادارے میں مل کر کام کرنے والوں کے دائرے میں۔ محبت نہ ہو تو آدمی کی شخصیت دوسروں کو دور دھکیلنے کا سبب بن جاتی ہے۔

یہ کشش جب کم ہو جاتی ہے تو لوگ چھوٹے چھوٹے قواعد اور ضابطوں کی کسی ایک تعبیر کی آڑ لے کر مشکل سے حاصل شدہ قیمتی افراد کو پل میں دور پھینک دیتے ہیں، حالانکہ اہلِ دعوت کا اصل کام یہ ہے کہ وہ تھوڑی سی خوبیاں رکھنے والے انسانوں کو بھی اپنی طرف کھینچیں، پھر اور قریب کریں، یہاں تک کہ ان کو جذب کر لیں۔

پس خدا کے دین کی دعوت دینے والے لوگ اگر الفتِ قلوب اور مقامِ اخوت تک پہنچنے ہیں کہ نا رہ جائیں تو وہ درحقیقت اپنی دعوت اور مقصد کو نقصان پہنچانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

محبت خود اجتماعیت کی بھی ایک ضرورت ہے۔

اوّل تو قسم قسم کے کبر اور طرح طرح کی کدورتیں رکھنے والے لوگ کبھی جمع ہو کر کوئی مخصوص نظم بنا ہی نہیں سکتے، لیکن اگر بنا بھی لیں تو اسے چلا نہیں سکتے، اور اگر انہیں پہلے سے کوئی بنا بنایا دینی نظامِ محبت و اخوت مل جائے تو وہ اپنے طرزِ عمل کے چند جھٹکوں سے اس کے بھی انجر پنجر کو ہلا کر رکھ دیں گے۔

وہ بھی محبت ہی ہوتی ہے جو رہنماؤں اور ذمہ دار اصحاب کے ساتھ ارکان اور کارکنوں کو جوڑتی ہے اور اُن کے دلوں میں اپنی صفِ اوّل کا خاص احترام پیدا کرتی ہے۔ جوا باً رہنماؤں اور ذمہ دار حضرات کا بھی فریضہ یہ ہے کہ اُن ارکان اور کارکنوں سے مشفقانہ محبت رکھیں جن کے جڑنے سے اجتماعیت کی ایک مشینری بنی اور چل رہی ہے اور ان میں سے ہر فرد اُن کی بڑائی اور عظمت اور ان کے احترام کا اعتراف کرتے ہوئے اور ان سے محبت رکھتے ہوئے اُن کے احکام کو تسلیم کرتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ عمائد و اکابر کو کبھی نہ کبھی کسی خرابی کا ازالہ کرنے کے لیے سخت احکام بھی دینے پڑتے ہیں۔ اور وہ سب محبتِ صداقت اور حمیتِ اجتماعیت کی وجہ سے ہوتے ہیں، مگر دین کے لیے جو رضاکارانہ اجتماعیت کام کر رہی ہوتی ہے اس میں اگر اکثر و بیشتر تحکم کا انداز اختیار کیا جانے لگے، لوگوں کی بات نہ سنی جائے، اُن کی معقول شکایات کا اعتراف کر کے اصلاح کرنے کا جذبہ نہ ظاہر کیا جائے، اُن کو اطمینان بخش جواب نہ دیئے جائیں، ان کے جائز حقوق کو وزن نہ دیا جائے، اُن کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہ کیا جائے تو آہستہ آہستہ پھر سارا نظامِ سمع و طاعت ایک مشینی سیاست کاری بن جاتا ہے، جس میں بے جان پرزے مل جل کر ایک حرکت کرتے ہیں، مگر ان میں انسانی نظم کی اصل روح باقی نہیں رہتی۔

لوگ اگر تنقید و احتساب کریں تو محبتِ باہمی کا تقاضا یہ ہے کہ خندہ پیشانی سے ان کے احساسات کو معلوم کیا جائے۔ کوئی غلط فہمی ہو تو انہیں مناسب طور سے بات سمجھا دی جائے، اگر اُن کے اُٹھائے ہوئے نکات کا کوئی جز و بھی برحق ہو تو اُن کے سامنے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کا اعتراف کیا جائے یا کسی خرابی یا کمزوری کے ازالے کی فکر کی جائے، بلکہ علوِ مرتبہ تو یہ ہے کہ خود دعوتِ تنقید و احتساب دی جائے اور اگر کوئی بات کرتے ہیں جھجکے تو اس کی ہمت افزائی کی جائے کہ دل جمعی سے اپنی پوری بات کہو۔

اجتماعیت کی لازمی صورت شورائیت ہے۔ اس سطح پر بھی جب دس پچاس افراد یک جا ہوتے ہیں تو پیش نظر موضوعات پر لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اندازِ بیان مختلف ہوتے ہیں، لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے۔ ایسی مجالس میں تنقید و احتساب کے مراحل بھی آتے ہیں، لیکن یہ ساری چیزیں جس قوت سے صاف ہو جاتی ہیں وہ دلائل و حقائق کے اندر کام کرنے والی محبت ہوتی ہے۔

اجتماعیت میں کبھی کبھار خاص خاص نزاعات بھی نمودار ہوتے ہیں اور ان کو یا تو مصالحتی طریق سے حل کرنا ہوتا ہے یا عدالتی طریق سے۔ اور ہر دو طریقوں میں وہی جذبۂ محبت (محبت خدا اور محبت صداقت اور محبت رفقا) کارفرما ہونا چاہیے۔ ایسی کارروائی میں ہر فریق کو یہ احساس ہو کہ اس کے ساتھ انصاف کیا گیا ہے اور کسی شخص کے ساتھ عمر یا علم یا عہدے کی بنا پر کوئی خاص رعایت روا نہیں رکھی گئی ہے، نیز کسی کی غلطی کے بالمقابل اس کی خدمات کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اس جوہر محبت سے خالی جب کوئی شخص میدان میں آتا ہے تو اچھی خاصی اجتماعیت کو بکھیر دیتا ہے اور جب کوئی دوسرا شخص پیکرِ محبت بن کر ذمہ داری سنبھالتا ہے تو بکھرے ہوئے تارے مل کر پھر کہکشاں بن جاتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مجموعی طور پر ہمارا دعوتِ دین کا کام اور اقامتِ دین کی تحریک اور اس کے لیے اجتماعیت کا دروبست متذکرہ جذبہ محبت ہی کے بل پر چل رہا ہے اور وہی ہم سب کو جوڑنے والی رُوح ہے۔

یہ گفتگو تو محض برائے تذکرہ ہے کہ نفسانیت کو پروان چڑھانے والے اس مادہ پرستانہ دور میں ہم خدا کی محبت، صداقت کی محبت اور انسانوں (خصوصاً رفقائے مقصد) کی محبت کا سرمایہ اپنے خزانۂ رُوح میں کم نہ ہونے دیں۔

یہ یاد دہانی اس لیے ضروری معلوم ہوئی کہ خود ہمارے وطن میں زر پرستی، عیش پسندی، جرائم، قتل و غارت، تباہ کاریاں، تخریبی کارروائیاں اور بات بات پر تشدد و انتقام عام ہورہا ہے۔

ادھر جس انسانیت کی محبت یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کی اصلاح کی ذمہ داری بھی سنبھالیں وہ سپرپاورز اور جدید مادہ پرستانہ تہذیب کے تسلط سے زار و نزار ہو چکی ہے، علم جہالت کی نئی تاریکیاں سامنے لایا ہے۔ سائنس نے انسان کو عقل پرستی کی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے۔ ٹیکنالوجی نے اپنے صنم کدے میں اسباب تعیش کے سامانوں کے بُت بنا کر رکھ دیے ہیں اور اُن کی پوجا کرائی جارہی ہے۔ عورت کو آزادی اور ترقی اور مساوات کے نام پر گھروں سے نکال کر سرمایہ دار کے روپے کے زور سے اسفلیت کی انتہائی گندگیوں میں گھسیٹا جارہا ہے۔ ملکوں کے ٹکڑے ہو رہے ہیں، قوموں کو لڑایا جارہا ہے۔ اسلحہ کے انبار لگائے جارہے ہیں۔ جرائم کا وہ زور ہے کہ کسی گذرے ہوئے دورِ وحشت میں بھی نہ تھا۔ ہر وعدے میں مکر کی آمیزش اور ہر دوستی میں دشمنی کا زہر شامل ہے۔ نہ قوموں کو قوموں سے محبت ہے اور نہ افراد کو افراد سے۔ ادبی تحریروں میں بڑے اینچ پینچ ہوتے ہیں، صحافتی نگارشات میں نت نئے تضاد رُونما ہوتے ہیں، حکام اور لیڈروں کے انٹرویو اور بیانات اور پھر حریفانہ جواب اور پھر تردیدیں ایک ایسا گرداب پیدا کرتی ہیں جس میں سچائی کی کشتی تو بالعموم ڈوب جاتی ہے، ہاں کچھ بلبلے پانی کی سطح پر ایسے رہ جاتے ہیں جو بڑے دلکش معلوم ہوتے ہیں۔

آج کے معاشروں میں سیلز مینوں کا میٹھا تبسم رہ گیا ہے یا سیلز گرلز کا مصنوعی تبسم۔

کرۂ ارضی کے تمام انسان قسم قسم کی انسانی خدائیوں کے پجاری ہیں۔ وہ ہر آن پر خوف و غم، حسرت و ارمان، یاس و قنوط، قلق و اضطراب اور انتشار و التہاب کی وباؤں کا شدید حملہ ہے۔

اس قسم کی فضا کے محافظوں کے خلاف کبھی اگر جہاد بھی کرنا پڑتا ہے تو اس میں ان ہزارہا انسانوں کو بچانے کے لیے محبتِ انسانیت کام کر رہی ہوتی ہے جو اس فضا میں پس رہے ہوتے ہیں۔

اے وہ لوگو جو ساری نوعِ انسانی کو کینہ و نفرت اور مفاد و تعیش اور تشدد و جرم سے بھرے ہوئے اس ماحول سے بچا نکالنا چاہتے ہو، خدا کے لیے تاریکی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کے سامنے محبتِ خدا اور محبتِ صداقت اور محبتِ انسانیت کے چراغ روشن کرو۔

اگر تم نے خود اپنے اندر یہ چراغ گُل کر لیے، اپنے ہی دلوں کے گرد دھواں دھاری پیدا کر دی اور آہستہ آہستہ تم خود ہی بحرِ ظلمات میں ڈوبنے لگ گئے تو پھر اوروں انسانوں کو کون سہارا دے گا۔

"كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا"

خواتین کیلیے تین خوبصورت کتابیں

۱۔ شمعِ حرم	محمد یوسف اصلاحی	۱۲/- روپے
۲۔ عورت اور اسلام	جلال الدین عمری	۹/- 〃
۳۔ عورت قرآن کی نظر میں	شمیمہ محسن	۱۲/- 〃

البدر پبلی کیشنز — ۲۳ - راحت مارکیٹ - اردو بازار لاہور

حکمتِ سیّد مودودیؒ

مولانا کا تعلیمی و تربیّتی تصوّر

(اخذ و اقتباس از محمد یوسف صاحب انچارج لائبریری ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور)

ذیل میں اگست ۱۹۴۲ء کے ماہنامہ دارالسلام سے مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ایک تحریر پیش کی جارہی ہے جس میں ان کے بالکل ابتدائی تعلیمی تصوّر کا پورا عکس موجود ہے۔ اس تحریر کے ساتھ مناسب معلوم ہوا کہ ماہنامہ دارالاسلام کے پرنٹر پبلشر جناب چوہدری نیاز علی خاں کی وہ سطور بھی شائع کردی جائیں جو اس کی تمہید بھی ہیں اور اس سے تعلق بھی رکھتی ہیں۔ یہ اس موقع کی بات ہے جب کہ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ نے دوسری بار دارالاسلام کی بستی کو کام کا مرکز بنانے کا فیصلہ کیا۔

مولینا کی اسکیم کو پڑھ کر کئی ناواقف حال لوگوں کو خیال ہو سکتا ہے کہ اس تعلیمی اسکیم کا کیا بنا، سو حالات کے ردّ و بدل نے اس میں جو خاملات پیدا کیے ان کا ذکر کیے بغیر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس اسکیم کے کئی مختلف تجربات شروع ہوئے، مثلاً ایک منصورہ (حیدرآباد) میں، ایک جامع العلوم ملتان میں، اسی طرح صوبہ سرحد میں، مگر آج سیّد مودودی انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے ایک دلچسپ اور شاندار تجربے کے آغاز کو ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ یہ ادارہ غیر پاکستانی مسلم نوجوانوں کے لیے ہے جس میں تھائی لینڈ، کوریا، افریقہ، ایران، افغانستان اور بعض دیگر خطوں کے طلبہ دین برحق کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ باہر سے یہاں آنے کے لیے درخواستوں کی بھرمار ہے، مگر اتنا روپیہ کہاں سے آئے؟ ہاں خدا کے خزانے کے بل پر جس طرح کام چل رہا ہے، آئندہ بھی چلے گا اور

وہ اپنے ایسے ذی حیثیت بندوں کو مامور کر سکتا ہے کہ وہ آگے بڑھ کر اس میں حصہ لیں۔

(من۔ ص)

معروضات

دارالاسلام کا دورِ جدید عرصہ پانچ سال کا ہوا کہ حضرت علامہ سر محمد اقبالؒ کے اشارے پر ان کے خیالاتِ عالیہ کی تعبیر کے لیے اس ادارہ کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کی ادارت کے لیے علامہ مرحوم کی نگاہ دوررس نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو تلاش کر کے حیدرآباد سے یہاں آنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ مولانا موصوف نے یہاں تشریف لا کر اس ادارہ کے مقاصد کا ایک خاکہ اپنے رسالہ "ترجمان القرآن" میں اوائل ۳۸ء میں شائع فرمایا۔ اس ادارہ کے انتظام کے لیے ایک انجمن بنام دارالاسلام ٹرسٹ قائم ہوئی اور قانون رائج الوقت کی رو سے بہترین قانونی استحکام حاصل کرنے کے لیے اس انجمن کی زیر ایکٹ ۲۱ ۱۸۶۰ء رجسٹری کرائی گئی جس میں اس انجمن کے مقاصد حسب ذیل درج ہوئے۔

ا۔۔۔ ادارہ دارالاسلام کا انتظام کرنا جو جمال پور ضلع گورداسپور میں واقع ہے۔ جو اس مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہے کہ وہاں سے تمام جائز ذرائع سے اسلامی مذہب، تہذیب اور تاریخ کی تشریح اور نشرواشاعت کی جائے۔

ب۔۔۔ اس جائیداد کا انتظام کرنا اور اس کو ترقی دینا جو مذکورہ ادارہ کے مفاد کے لیے خان صاحب چودھری نیاز علی خاں نے وقف کی ہے نیز اس تمام جائیداد۔ سرمایہ اور آمدنی کا اہتمام کرنا جو ادارہ دارالاسلام کے لیے بصورت وقف یا کسی دوسری صورت سے حاصل ہو۔

بعض مصالح کی بنا پر مولانا مودودی صاحب شروع ۳۹ء میں لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ اور وہاں فرائض دعوت وارشاد سرانجام دیتے رہے۔ مگر اب پھر اپنے مقاصد کے پیش نظر وہ یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ اور اپنی جماعتِ اسلامی کے پروگرام کو عمل میں لائیں گے جس کی تشریح اُن کے اعلان مندرجہ تحت میں کی گئی ہے۔ دارالاسلام ٹرسٹ اپنے فرائض عمومی کی بجا آوری کے علاوہ جہاں تک اس کے مقاصد کا تقاضا ہے، اپنے تعلیمی و تبلیغی فرائض جماعت اسلامی کے اشتراک سے سرانجام دے گا۔ جماعت اسلامی کے مخصوص وظائف اور اعمال کا انصرام کلیتہً اس جماعت

کے اپنے ہاتھ میں ہوگا۔

اُمید ہے کہ ہمارے ناظرین اس انتظام کا نہایت خوشدلی کے ساتھ خیر مقدم کریں گے۔ اور ہماری جدوجہد میں بیش از بیش عملی حصّہ لیں گے۔ خدا کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ اب دارالاسلام اپنے ان بلند مقاصد پر جلد پہنچ جائے گا، جو علامہ مرحوم و مغفور کے خیال میں تھے۔

اعلان منجانب سید مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعتِ اسلامی

قضائے الٰہی ساڑھے تین سال بعد پھر مجھے اُسی بستی میں لے آئی ہے جس کا نام اب سے چار سال قبل تبرکاً و تفاؤلاً "دارالاسلام" رکھا گیا تھا۔ ۳۸ء کا تقریباً یہی زمانہ تھا کہ مجھے بمشکل صرف پانچ آدمیوں کی رفاقت حاصل تھی۔ اللہ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ اب پانچ سو سے زیادہ اشخاص اس کام میں تعاون کرنے کے لیے مجھے میسّر آگئے ہیں، جس کا آغاز میں نے ۳۸ء میں کیا تھا۔ دارالاسلام کی بستی کی طرف نقل مکان کرتے ہوئے پیش نظر صرف یہ تھا کہ اس جگہ کو عارضی طور پر جماعتِ اسلامی کا مرکز بنایا جائے۔ لیکن اللہ کی عنایت سے اب ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں، جن سے توقع ہے کہ دارالاسلام ٹرسٹ اور جماعتِ اسلامی میں دُوئی باقی نہ رہے گی، بلکہ یہ دونوں چیزیں کنفس واحدۃ ہو جائیں گی۔ اس صورت میں ان شاءاللہ یہ مقام جماعت اسلامی کا مستقل مرکز رہے گا۔

اس وقت یہاں جن تعمیری کاموں کی بنا ہم رکھنا چاہتے ہیں، اُن کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے۔ اس خاکہ پر عمل درآمد اور اس کی تکمیل بہرحال اس امداد و اعانت پر منحصر ہے، جو ہمارے مقصد سے ہمدردی رکھنے والوں کی طرف سے ہمیں حاصل ہو، مگر کسی انسانی اعانت کا انتظار کیے بغیر محض اللہ کے بھروسے پر ہم نے یہاں اس خاکہ کے ہر شعبہ کی ابتدا کر دی ہے۔ السعی منا والاتمام من اللہ۔

سب سے پہلا کام جو ہم یہاں کرنا چاہتے ہیں ایک درس گاہ و تربیت گاہ کا قیام ہے۔ میں نے اپنے مضمون "نیا نظامِ تعلیم" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" میں اس حقیقت

کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ کوئی تحریک جو انسانی زندگی میں ایک مکمل اور حقیقی انقلاب برپا کرنا چاہتی ہو کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ وہ خود اپنے مزاج اور اپنے مقتضیات کے مطابق انسانوں کو ڈھالنے اور بنانے کے لیے تعلیم و تربیت کا ایک نظام قائم نہ کرے۔ پھر میں پہلے مضمون میں تفصیل کے ساتھ اور دوسرے میں مجملاً یہ بھی بتا چکا ہوں کہ ہمیں اپنی تحریک کے لیے کس طرح کا نظامِ تعلیم و تربیت درکار ہے۔ اب اُن کہی ہوئی باتوں کے اعادہ کی حاجت نہیں۔ صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ جو کچھ اس وقت کہا گیا تھا اب اُسے کرنے کا ارادہ ہے۔ چند رفقاء کے مشورہ سے، جو فنِ تعلیم کو علمی حیثیت سے بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور عملی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔ میں نے اس درس گاہ کا ایک خاکہ مرتب کر لیا ہے اور عملاً اس کی بنا بھی رکھ دی ہے۔ بنیادی اُصول وہی ہیں، جو ان دونوں مضامین میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ عملی تفصیلات ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں بتمام و کمال اسی مرحلہ میں شائع کر دیا جائے۔ تجربہ سے ابھی ان میں بہت کچھ ردّ و بدل ہونا ہے۔ جب ہمارا تجربہ کامیاب ہو جائے گا اور ہم خود اس پر مطمئن ہو جائیں گے۔ تو انشاء اللہ اپنا تعلیمی دستور اور نصاب دونوں شائع کر دیں گے۔ تاہم اس کے سرسری خدوخال یہاں پیش کیے جا سکتے ہیں:۔

زمانہ تعلیم کو ہم نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اساسی، متوسط اور عالی۔

اساسی تعلیم میں ہماری کوشش یہ ہو گی کہ ہر انسان کو مسلم انسان ہونے کی حیثیت سے دُنیا کا کام چلانے کے لیے لازماً جن معلومات، جن اخلاقی اوصاف، اور جن ذہنی اور عملی استعدادوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب تعلیم و تربیت کے ذریعے سے بچہ کی شخصیت میں جمع کر دی جائیں۔ ہم صرف اس کو کتاب ہی نہیں پڑھائیں گے بلکہ ہمارا اُستاد عملاً اُس کو اپنی معلومات اور اپنی قابلیتوں سے زندگی کے مختلف شعبوں میں کام لینا سکھائے گا۔ اور اُس کو اس قابل بنائے گا کہ اساسی تعلیم کے مرحلہ سے فارغ ہو کر جب وہ نکلے تو ہر شعبۂ حیات میں وہ ایک عمدہ ابتدائی کارکن بن سکے۔ اس کی ذہنی اور جسمانی قوتوں میں سے کوئی قوت ایسی نہ ہو جس کا استعمال اسے نہ آتا ہو، اور زندگی کی مختلف راہوں میں سے کوئی راہ ایسی نہ ہو جس پر چلنے کے لیے کم از کم ناگزیر معلومات اس کے پاس نہ ہوں۔ علاوہ بریں ہم اسے اتنی عربی بھی سکھائیں گے کہ وہ قرآن

کا سیدھا سادہ مفہوم خود سمجھ لے۔ نیز تعلیم اور تربیت دونوں کے ذریعے سے ہم اس کو اسلامی طرز زندگی کے ضروری آداب و اطوار اور قواعد و قوانین سے بھی نہ صرف آگاہ کر دیں گے، بلکہ عملاً اُن کا خوگر بنا دیں گے۔ یہ تعلیم تمام بچوں کے لیے یکساں ہوگی، کیونکہ ہمارے پیش نظر یہ ہے کہ اس مرتبہ کی تعلیم و تربیت ہر بچے کو حاصل ہونی چاہیے، قطع نظر اس سے کہ آگے چل کر اسے دنیا میں مزدور یا کسان کی حیثیت سے کام کرنا ہے یا وزیر کی حیثیت سے یا پروفیسر کی حیثیت سے۔

متوسط تعلیم میں بچہ کے داخل ہونے کا انحصار اساسی تعلیم کے نتائج پر ہوگا۔ اساسی تعلیم کی انتہا کو پہنچتے پہنچتے ہر بچہ کے متعلق اندازہ کر لیا جائے گا کہ آیا وہ دنیا کی زندگی میں ابتدائی کارکن کے مرتبہ سے بلند تر خدمت انجام دینے کی قوت رکھتا ہے یا نہیں۔ جن بچوں کے متعلق اُستادوں کا تخمینہ اور آزمائشی امتحانات کا فیصلہ یہ ہوگا کہ وہ ایسی قوت رکھتے ہیں، صرف انھی کو دوسرے مرحلہ تعلیمی میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی، اور اس مرحلہ میں ہمارے پیش نظر یہ ہوگا کہ بچوں کو ان کاموں کے لیے تیار کیا جائے جن میں جسمانی قوتوں کی بہ نسبت ذہنی قوتوں سے زیادہ کام لینا پڑتا ہے۔ یہاں ہر بچہ کے لیے ان مضامین کا مجموعہ تجویز کیا جائے گا جن کے ساتھ اس کے ذہن کو مناسبت ہوگی۔ جس شعبہ زندگی کے لیے اُسے تیار کرنا ہوگا اُسی سے تعلق رکھنے والے علوم عالیہ کے مبادی اُسے پڑھائے جائیں گے، مگر اس طرح کی ہر دنیوی علم کے اندر دینی نقطۂ نظر روح کی طرح جاری و ساری ہوگا۔ اور ہر دینی علم کا انطباق دنیوی حالات پر کر کے بتایا جائے گا۔ پھر طالب علم کو اپنے علم سے عملاً کام لینے کی پوری مشق بھی کرائی جائے گی۔ اور تربیت کے ذریعہ سے اس میں ایک سچے مسلمان کی سیرت بھی پیدا کی جائے گی۔

درجہ عالی کی تعلیم بالکل اختصاصی تعلیم ہوگی اور اس میں ہمارے پیش نظر ایسے علماء اور ماہرین پیدا کرنا ہوگا جو زندگی کے مختلف شعبوں میں قیادت و رہنمائی کے اہل ہوں۔ جن میں یہ قابلیت ہو کہ اسلام کے اُصولوں پر ایک پورے نظام تمدن کی تعمیر کر سکیں۔ اور ایک جدید ترین اسٹیٹ کی تنظیم کا بار اُٹھا سکیں۔ اِس کے لیے جس علم، جس قوتِ اجتہاد اور جس متقیانہ سیرت کی ضرورت

ہے وہ ان ہی تعلیم و تربیت کے ذریعے سے پیدا کی جائے گی اور اس درجہ میں صرف وہی طلبہ لیے جائیں گے جن کے متعلق متوسط تعلیم کے نتائج سے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ وہ اپنی ذہنی و اخلاقی صلاحیتوں کے اعتبار سے اس کے اہل ہیں۔

علمی تحقیق کا شعبہ دراصل ہماری تحریک کا دل اور دماغ ہوگا۔ اگر ہمیں واقعی نظامِ تمدّن و اخلاق میں کوئی انقلاب برپا کرنا ہے تو ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ صرف اردو زبان ہی میں نہیں بلکہ متعدد دوسری زبانوں اور خصوصاً دو تین بین الاقوامی زبانوں میں بھی ایسا لٹریچر فراہم کریں، جو اسلامی نظام کی پوری شکل و صورت سے دنیا کو آشنا کرے اور اپنی تنقید سے موجود تہذیب و تمدّن کی جڑیں اکھاڑ کر دلوں اور دماغوں میں نظامِ اسلامی کی صداقت کا یقین اور اس کے قیام کی خواہش پیدا کر دے۔ نیز ہمیں قرآن، حدیث، فقہ، اور تاریخ اسلام کے متعلق جملہ علوم کی تدوینِ جدید کرنی ہوگی، اور اسی طرح علومِ جدیدہ کو بھی اسلامی نقطۂ نظر سے از سرِ نو مدوّن کرنا ہوگا۔ یہ کام کیے بغیر ہم ہرگز یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ مجرّد کسی عمومی یا عسکری تحریک سے کوئی حقیقی اسلامی انقلاب دنیا کے موجودہ نظامِ تمدّن و اخلاق میں رونما ہو جائے گا۔

اس غرض کے لیے ہم کو ایک طرف ایسے صاحبِ فکر و نظر آدمی کی ضرورت ہے جو اس تحقیقی کام کے اہل ہوں، اور ہمارے جماعتی نظم و ضبط کے اندر رہ کر یہ خدمت انجام دے سکیں۔ دوسری طرف ایک عمدہ کتب خانہ درکار ہے اور اس کے ساتھ ایسے ذرائع درکار ہیں جن سے ہم ان خدّامِ دین کو سامانِ زیست بہم پہنچا سکیں۔

سرِدست ہم صرف اساسی تعلیم کی درس گاہ قائم کر رہے ہیں۔ اونچے درجوں کے کچھ طلبا اگر اس مرحلہ پر آجائیں تو ہم کوشش کریں گے کہ ان کے لیے بھی ایک عارضی نصاب بنا کر تعلیم و تربیت کا خاص انتظام کر دیں، لیکن ہمارے نظامِ تعلیم کا حقیقی نشو و نما اساسی تعلیم ہی سے ہوگا۔ ذی استطاعت اصحاب سے فی بچہ بیس روپے ماہوار لیے جائیں گے اور کم استطاعت لوگوں سے دس روپے ماہوار، لیکن کم اور زیادہ فیس دینے والے طلبا کے درمیان قیام و طعام وغیرہ کے لحاظ سے کوئی فرق نہ رکھا جائے گا۔

ان دونوں تعمیری کاموں کے ساتھ ہم دعوتِ عام کا کام بھی پوری قوت کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں، ہماری تعمیری کوششیں بے سود ہو جائیں گی، اگر ساتھ ساتھ ان کی پشت پر ایک مضبوط رائے عام

بھی تیار نہ ہوتی رہے۔ جس طرح مذکورہ بالا تعمیری کاموں کے بغیر کوئی اسلامی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ عامۃ الناس میں اسلام کی دعوت پھیلائے بغیر ایسا کوئی انقلاب برپا ہو سکے۔ ہمیں نہ صرف ہندوستان میں بلکہ حتی الامکان دنیا کے گوشے گوشے میں اپنی آواز پہنچانی ہوگی۔ کیونکہ آج کسی ایک ملک میں کوئی حقیقی انقلاب واقع نہیں ہو سکتا جب تک کہ وسیع پیمانہ پر بین الاقوامی رائے عام اس کی تائید میں تیار نہ کر لی جائے۔ اس قسم کی دعوتِ عام شروع کرنے کے لیے ابتداً ضروری ہے کہ چھوٹے پیمانہ پر ایک محدود حلقہ میں کچھ نمونہ کا کام کیا جائے، اور داعیوں کی اخلاقی و عملی تربیت کر کے اس حلقہ میں اُن سے کام لیا جائے تاکہ آئندہ وسیع پیمانہ پر دعوت پھیلانے کی راہ کھل جائے۔

اب اس کارِ عظیم کے لیے جو ذرائع مطلوب ہیں، ان کی بہم رسانی دو ہی صورتوں سے ممکن ہے، ایک یہ کہ جو لوگ جماعتِ اسلامی میں شریک ہوتے ہیں، اور جو لوگ اس کے نصب العین سے ہمدردی رکھتے ہیں، وہ اس راہ میں مالی قربانیاں کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں، اور ان باطل پرستوں سے سبق لیں، جو آج اپنے باطل نظریات کا اقتدار قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لیے کروڑوں پونڈ روزانہ آگ میں پھونک رہے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہماری جماعت میں جو لوگ کسی قسم کے صنعتی یا تجارتی کام کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، وہ یہاں آئیں اور اپنی قابلیت سے کام لے کر دولت پیدا کریں، اور اس کا ایک حصہ اپنی ذات پر اور دوسرا حصہ اپنے مقصدِ زندگی کی خدمت پر صرف کریں۔ اسی غرض کے لیے ہم نے اپنے پروگرام میں ایک مدِ معاشی تدابیر کی بھی رکھی ہے۔ یہاں زمین بافراط موجود ہے اور نہایت شاداب و زرخیز ہے، بجلی موجود ہے، بڑی بڑی منڈیاں قریب ہیں، ذرائع حمل و نقل جنگی مشکلات کے باوجود اس وقت تک یہاں دستیاب ہو رہے ہیں۔ متعدد زراعتی، صنعتی اور تجارتی کام قلیل یا کثیر سرمایہ سے یہاں شروع کیے جا سکتے ہیں۔ اس باب میں ہم ہر ایک خواہش مند کو اس کے حالات کے مطابق مشورہ دیں گے اور جس قدر سہولتیں مرکزی ادارہ کی طرف سے بہم پہنچائی جا سکتی ہیں وہ پہنچائی جائیں گی۔

ابوالاعلیٰ مودودیؒ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبۂ رحم

جناب غزل کاشمیری صاحب اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

(۲)

آنحضرتؐ کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلالؓ کے سپرد تھا۔ روپیہ پیسہ جو کچھ بھی آتا اُن کے پاس ہوتا تھا۔ ناداری کی حالت میں وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہیں سے کوئی رقم آجاتی تو اس سے ادا کر دیتے۔ ایک دفعہ بازار جا رہے تھے ایک مشرک نے دیکھا تو کہا کہ تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو۔ انہوں نے قبول کر لیا۔ ایک دن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگروں کے ساتھ آیا اور بلالؓ سے کہا "او حبشی!" انہوں نے اس بدتمیزی کے جواب میں لبیک کہا۔ بولا "کچھ خبر ہے وعدہ کے صرف چار دن باقی رہ گئے ہیں۔ تم نے اس مدت میں قرضہ ادا نہ کیا تو بکریاں چروا کر چھوڑوں گا۔" بلالؓ عشاء پڑھ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں آئے اور سارا حال بیان کر کے کہا کہ خزانہ میں کچھ نہیں ہے۔ کل وہ مشرک آکر مجھ کو بے شرم کرے گا۔ اس لیے مجھ کو اجازت ہو کہ میں کہیں نکل جاؤں۔ پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو میں واپس آجاؤں گا۔ غرض رات کو جا کر سو رہے اور سامانِ سفر یعنی تھیلا جوتی ڈھال سر کے نیچے رکھ لی۔ صبح اٹھ کر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ آنحضرتؐ نے یاد فرمایا ہے۔ یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازے پر کھڑے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا مبارک ہو یہ اونٹ رئیس فدک نے بھیجے ہیں۔ بلالؓ نے بازار میں جا کر تمام چیزیں فروخت کیں اور مشرک کا قرضہ واپس کر کے مسجد نبوی میں آئے اور آنحضرتؐ سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا

ہو گیا ہے۔ یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہے، جو ہجرت کا ساتواں سال ہے۔ حضرت بلال رضؓ آنحضرتؐ کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے۔ ایک مشرک آپ کو حبشی کہہ کر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ تجھ سے بکریاں چروا کر چھوڑوں گا۔ حضرت بلال رضؓ اس کی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔ آنحضرتؐ یہ باتیں سنتے ہیں، لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہیں فرماتے، اور نہ ہی بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے ہیں۔ اتفاق سے غلّہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرضہ ادا ہو جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کیا جاتا ہے۔ یہ حلم یہ عفو یہ تحمّل رحمت عالم کے سوا کس سے ہو سکتا ہے؟

خلق عمیم میں کافر و مسلم، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی۔ ابرِ رحمت دشت و چمن میں یکساں برستا تھا۔ یہود کو آنحضرتؐ سے جس شدت کی عداوت تھی اس کی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے۔ لیکن آپ کا طرزِ عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہ ہوتا آپ اُن میں انہی کی تقلید فرماتے۔

ایک دفعہ ایک یہودی نے برسرِ بازار کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاءؑ پر فضیلت دی"۔ ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے اُن سے رہا نہ گیا۔ اُنہوں نے پوچھا "محمدؐ پر بھی"؟ اُس نے کہا "ہاں"۔ انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اُس کے مار دیا۔ آنحضرتؐ کے عدل اور انصاف اور اخلاق پر دشمنوں کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے صحابی کی سرزنش کی۔

ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی۔ اُس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ گویا باپ کی رضامندی دریافت کر رہا ہو۔ اُس نے کہا کہ آپؐ جو فرماتے ہیں اُس کو بجا لاؤ، چنانچہ اُس نے کلمہ پڑھا۔ ایک دفعہ سرِراہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے۔ ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہا۔ غصہ میں آکر حضرت عائشہ رضؓ نے سخت جواب دیا، لیکن آپ نے روکا اور فرمایا! "عائشہ سخت زبان نہ بنو، نرمی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا ہے"۔

یہودیوں کے ساتھ داد و ستد کرتے تھے۔ ان کے سخت اور ناجائز تقاضوں اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے۔ یہودیوں اور مسلمانوں میں اگر اختلافِ معاملات ہوتا تو مسلمانوں کی بلا وجہ طرف داری نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ دیکھو ایک مسلمان نے مجھ کو تھپڑ مارا ہے۔ آپؐ نے اس مسلمان کو زجر فرمایا۔

نصاریٰ کا وفد جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپؐ نے اس کی مہمانداری کی۔ مسجدِ نبوی میں اس کو جگہ دی بلکہ اُن کو اپنے طریق پر نماز پڑھنے کی اجازت بھی دے دی اور جب عام مسلمانوں نے اُن کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپؐ نے فرمایا "انھیں مت روکو" یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے، نکاح و معاشرت کی اجازت دی۔

جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ آوروں سے عفو و درگذر کا واقعہ محمدؐ کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہاں مل سکتا ہے۔ جس شب کو آپؐ نے ہجرت فرمائی کفارِ قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائے، اس لیے دشمنوں کا ایک دستہ خانۂ نبوی کا محاصرہ کیے کھڑا رہا۔ اگرچہ اُس وقت دشمنوں سے انتقام لینے کی آپ میں ظاہری قوت نہ تھی۔ لیکن ایک وقت آیا جب اُن میں سے ایک ایک کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی اور ان کی جان صرف آنحضرتؐ کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان میں سے کوئی شخص اس جرم میں کبھی مقتول نہیں۔

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرتؐ کے سر کی قیمت مقرر کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اُس کو سو اونٹ انعام دیے جائیں گے۔ سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے آپ کے قریب پہنچے۔ آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھ کر اپنی نیت بدلی اور توبہ کی اور خواہش کی کہ مجھے سندِ امان لکھ دی جائے۔ چنانچہ سندِ امان لکھ کر اُن کو دے دی گئی۔ حالانکہ وہ اِس کے آٹھ سال بعد فتح مکہ کے موقع پر حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرف بھی درمیان میں نہیں آیا۔

عمیر بن وہب آنحضرتؐ کا سخت دشمن تھا۔ مقتولینِ بدر کے انتقام کے لیے جب قریش

بے تاب تھے تو صفوان بن امیہ نے اس کو بیش بہا انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ وہ چپکے سے جا کر نعوذ باللہ آنحضرتؐ کا کام تمام کر دے۔ عمیر اپنی تلوار زہر میں بجھا کر مدینے آیا۔ لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اس کے تیور دیکھ کر لوگوں نے پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ نے اُن کے ساتھ سختی کرنی چاہی لیکن آپ نے منع فرمایا اور اپنے قریب بٹھا کر اس سے باتیں کیں اور اصل راز ظاہر فرمایا۔ یہ سن کر وہ سناٹے میں آ گیا۔ لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔ یہ دیکھ کر وہ اسلام لے آیا اور مکہ میں جا کر دعوتِ اسلام پھیلائی۔ یہ واقعہ سنہ ۲ھ کا ہے (کچھ واقعہ پیچھے گذر چکا ہے)۔

ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا۔ صحابہؓ اس کو گرفتار کر کے آنحضرتؐ کے سامنے لائے۔ وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا۔ آپ نے اس کو مخاطب کر کے فرمایا "ڈرو نہیں اگر تم مجھے قتل کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے" صلح حدیبیہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اسّی آدمیوں کا ایک دستہ منہ اندھیرے "جبلِ تنعیم" سے اُتر کر آیا اور چھپ کر آنحضرتؐ کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہو گئے لیکن آنحضرتؐ نے اُن کو چھوڑ دیا اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔ قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَكَفَّ أَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ

اسی خدا نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک دیے

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسان کی فطری عادت ہے، لیکن آنحضرتؐ کا درجہ عام انسانوں سے بدرجہا بلند ہے۔ جو لوگ آپ کو دکھ دیتے آپ اُن کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جو اُن کے تشنۂ خون ہوتے وہ اُن سے پیار کرتے ہیں۔ ہجرت سے قبل مکہ میں مسلمانوں پر اور خود آنحضرتؐ پر جو پیہم مظالم ہوتے رہے تھے اس داستان کے دہرانے کے لیے بھی سنگدل درکار ہے۔ مکی دور میں خباب بن ارت ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ دشمنوں کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سن کر چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ ایک دفعہ چند صاحبوں نے مل کر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "میں دنیا کے لیے لعنت نہیں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ وہ قریش جنہوں نے آپ کو تین برس تک محصور رکھا اور آپ کے پاس

غلّہ کا ایک دانہ بھی بھیجنے کے روادار نہ تھے۔ ان کی شرارتوں کی پاداش میں مکّہ میں اس قدر قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے۔ ابو سفیان نے آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ محمد! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے۔ خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو جائے۔ آپ نے بلا عذر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے اور خدا نے اس مصیبت سے ان کو نجات دی۔

جنگ احد میں دشمنوں نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلواریں چلائیں، دندان مبارک کو شہید کیا، جبین اقدس کو زخمی کیا لیکن ان حملوں کا جواب آپ نے جس لعاب مبارک سے دیا وہ دعا تھی۔ عموماً آپ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللّٰھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

خدایا میری قوم کو ہدایت دے یہ نادان ہیں۔

دوس کا قبیلہ یمن میں رہتا تھا۔ طفیل بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے۔ وہ قدیم الاسلام تھے۔ مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے لیکن وہ قبیلہ اپنے کفر پر اڑا رہا۔ ناچار وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قبیلے کی حالت عرض کر کے گذارش کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا فرمایئے۔ لوگوں نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی میں کوئی شک نہیں رہا۔ لیکن رحمتِ عالم نے جس انداز میں دعا فرمائی۔ وہ یہ الفاظ تھے۔

اللّٰھم اھد دوسًا وائت بھم

خداوندا دوس کو ہدایت کر اور ان کو میرے پاس لا۔

مسیح نے کہا تھا "میں امن کا شہزادہ ہوں" لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت میں محفوظ نہیں۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خود خدا نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اے محمد! ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس ذاتِ بابرکات نے کہا:

"لَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا"

"تم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو، ایک دوسرے کے خلاف سازشیں نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔"

أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً

"لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تب مسلمان ہو گے۔"

ایک اعرابی آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر اونٹ پر سوار ہو کر جانے لگا تو کہا "اے اللہ مجھ پر اور محمدؐ پر رحمت بھیج اور ہماری رحمت میں کسی اور کو شریک نہ کر"۔ آپؐ نے فرمایا "یہ زیادہ بھٹکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ"۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ ایک بدو نے کہا "اے اللہ صرف مجھ کو اور محمدؐ کو بخش دے" آپؐ نے فرمایا "تم نے خدا کی رحمت کو تنگ کر دیا ہے"۔

مندرجہ بالا واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلّم اپنے مخالفین حتیٰ کہ جانی دشمنوں سے درگذر کر سکتے ہیں تو ہم جو اُن کے پیروکار کہلاتے ہیں کیوں نہ آپس کے اختلافات میں درگذر سے کام لیں اور ایک دوسرے کے قول کو ہمدردی سے سُنیں؟ ہر سال یہ خبریں سُننے میں آتی ہیں کہ فلاں جگہ شیعوں نے سُنیوں پر حملہ کر دیا۔ اتنے لوگ گرفتار ہوئے ہیں۔ پولیس نے مسجد یا امام باڑہ میں لاٹھی چارج کیا وغیرہ وغیرہ۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان کہلانے کے ساتھ ساتھ شیعہ سُنّی کہلاتے ہیں — اسلام میں تو کوئی فرقہ ہے ہی نہیں۔ کسی فرقہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ہی سب سے بڑا گناہ ہے۔ اگر اُمت میں کہیں فقہی یا فروعی اختلاف ہے تو مسلمان ہونے کے ناطے اسے ہمدردی سے سُنا جائے اور صبر و تحمل کے ساتھ اس کا جواب دیا جائے۔ کیا تہذیب و شائستگی ہم سے دُور ہو گئی ہے؟ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے پیروکار کہلانے کے قطعاً مستحق نہیں ہیں۔ ہم اپنے نفس، مفادات اور اپنی ذات کے پیروکار ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

حامدی صاحب کے تحریکی سفر کی داستان

(بہ شکل خطوط، بنام قاری منہاج الدین صاحب[1])

از مولانا خلیل حامدی، ڈائریکٹر ادارۂ معارفِ اسلامی، منصورہ لاہور

آج ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء ہے۔ یہ خط میں آپ کو مارشیس سے لکھ رہا ہوں۔ یہاں میں ۱۰ دسمبر ۱۹۸۳ء کو ۲ بجے کے قریب پہنچ گیا تھا۔ کراچی سے جب جدّہ پہنچ گیا تو مارشیس کے لیے فلائٹ کے انتظار میں جدّہ ایرپورٹ پر چھ گھنٹے رکنا پڑا۔ جدہ ایرپورٹ پر ہمارے پرانے شناسا جناب ظفر صاحب، جو سعودیہ ایرلائنز میں ملازم ہیں۔ جہاز سے اترتے ہی مجھے مل گئے تھے، چنانچہ اُن کی غیر معمولی مدد سے میرا ٹرانزیٹ کا مسئلہ بخیر وخوبی سے حل ہوگیا۔ الغرض میں نے ۱۰ دسمبر کو صبح چھ بجے جدّہ سے لفتھانزا کے ذریعہ مارشیس کے لیے پرواز کی۔ یہ جہاز راستے میں تنزانیہ کے دارالحکومت دارالسلام میں چالیس منٹ رکا اور پھر مارشیس کے ہوائی اڈے، پورٹ لوئس آکر اترا۔ جدّہ اور پورٹ لوئس کا یہ درمیانی سفر ۶ گھنٹے میں مکمل ہوا۔ محمد حسین دھال اور اُن کے رفقاء ہوائی اڈے پر آئے ہوئے تھے۔ ویزا اور کسٹم کی نہایت ہلکی پھلکی کارروائی کے بعد میں مارشیس میں داخل ہوگیا۔ کسٹم والوں نے مجھ سے صرف اتنا سوال کیا کہ "کیا وسکی کی بوتلیں ساتھ لائے ہو؟" میں نے سامان کھول کر چیک کروانا چاہا، مگر اس نے بغیر دیکھے پاس کر دیا۔

---

[1] ان میں سے ایک خط معاصر عزیز ایشیا میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

جہاز سے نکلتے ہی محسوس ہو گیا کہ یہاں کا موسم گرم ہے۔ یعنی گرمی کا وہی رنگ ڈھنگ ہے جو لاہور میں ماہ ... میں ہوتا ہے۔ ماریشیس جزیرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کے ایسے خطے میں واقع ہے کہ اگر شمالی نصف کرہ میں گرمی ہو گی تو یہاں سردی ہوگی اور اگر وہاں سردی ہوگی تو یہاں گرمی ہوگی۔ ... یہ موسمی تغیرات خدائے غالب و علیم کے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ پورٹ لوئیس ماریشیس کا سب سے پر رونق اور سرگرم علاقہ ہے۔ تجارتی مرکز ہے ... گاڑیاں گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔ بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ... بڑی نظر آتی ہے۔

محمد حسین وصال صاحب پورٹ لوئیس سے نکل کر ہم ... چل دیئے۔ یہ وہ ٹاؤن ہے جہاں محمد حسین وصال صاحب کی سکونت ہے۔ ہم پونے ... بجے وہاں پہنچے۔ طویل سفر کی وجہ سے تھک چکا تھا، اس لیے وصال صاحب نے میرے لیے یہ تجویز کیا کہ ... میں گھر چل کر آرام کروں۔ جناب محمد حسین ملک صاحب مجھ سے پہلے یہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ بھی وصال صاحب کے مکان پر ہی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ... سے مل کر راقم کو بڑی خوشی ہوئی۔ ان سے پچھلی ملاقات تہران میں ۱۹۶۰ء میں ہوئی تھی۔ وہ ... سال پیشتر ماریشیس میں رہ چکے ہیں۔ یہاں کے لوگوں اور جگہوں اور یہاں کے قومی ... سے خوب شناسا ہیں۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ دعوت و تبلیغ میں گذرا ہے اور گو عمر کے چھٹے عشرے میں داخل ہو چکے ہیں، مگر ابھی دعوت کے میدان کے جذبات جوان، عزائم بلند اور سوچ تازہ دم ہے۔

مغرب کی نماز کے بعد ہم شہر نکلے۔ وصال صاحب نے بتایا کہ رات کا کھانا ماریشیس کی ایک نمایاں شخصیت ... صاحب کے ہاں ہے۔ ہم ان کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ اور احباب بھی جمع تھے۔ سب حضرات نے ہمارا خیر مقدم کیا۔ یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ مسلمان جب ایک دوسرے سے پہلی بار ملتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں آپس میں پیوستہ مانوس ہیں اور اجنبیت نام کی کوئی چیز درمیان میں حائل نہیں ہے۔

قرآن ہاؤس میں سیمینار ۱۱ دسمبر ۱۹۹۳ء کو سیمینار کا دوسرا دن تھا۔ یہ سیمینار ماریشیس کے

اسلامک سرکل کی طرف سے منعقد کیا گیا ہے۔ اس کا افتتاح ۱۰ر دسمبر کو ہو چکا ہے۔ افتتاحی تقریب میں مارشیس کے وزیر اعظم جگناتھ صاحب بھی شریک ہوئے ہیں، بلکہ یہ افتتاح اُن کی زیر صدارت ہوا ہے۔ مارشیس کے مسلمان وزیر تجارت بھیات صاحب اور سپریم کورٹ کے مسلمان چیف جج غوالن صاحب اور مختلف سفارتی نمائندے بھی شریک ہوئے۔ سیاسی اور سرکاری شخصیتوں کے علاوہ مارشیس کے مختلف دینی، علمی اور ثقافتی حلقوں کے نمایاں حضرات نے بھی شرکت کی۔ اس لحاظ سے یہ سیمینار مارشیس کے مسلمانوں کے جذبات کی ایک ممیّز بن گیا ہے۔ افتتاحی پروگرام شہر کے ایک پبلک ہال میں منعقد کیا گیا ہے۔ بقیہ پروگرام اسلامک سرکل کے تحت قائم کیے جانے والے ایک نئے منصوبے قرآن ہاؤس میں ہوا ہے۔ سیمینار میں صرف دو موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

۱۰ر دسمبر کو جو پروگرام ہوا ہے اس کا موضوع تھا: "دعوت کے تقاضے اور داعی کی ذمہ داریاں" اس موضوع پر پہلے دو مقالے پیش کیے گئے: ایک جناب محمد حسین ملک صاحب کی طرف سے اور دوسرا مارشیس کے ایک نامور قانون دان جناب خالد تنگاٹے کی طرف سے تھا۔ مقالات پیش کیے جانے کے بعد حاضرین مختلف گروپوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروپ میں شریک افراد نے بحث کے مختلف حصوں پر الگ الگ اظہار خیال کیا۔ اس طرح تمام حاضرین کو سیمینار کی کارروائی میں حصہ لینے اور تبادلۂ خیال کرنے کا موقع مل گیا۔ نیز مارشیس کے حالات کے اندر اسلامی دعوت کو فروغ دینے اور مسلم قوم کے تشخص کو مضبوط و نمایاں کرنے کے وسائل سوچے گئے۔

۱۱ر دسمبر کا اجلاس ۱۱ر دسمبر ۸۳ء کے اجلاس کا موضوع تھا: "مسلمان عورت کا مقام اور کردار" اس موضوع پر بھی صرف دو مقالے پیش کیے گئے۔ پہلا مقالہ "اسلام میں مسلمان عورت کی حیثیت" کے عنوان پر راقم نے پیش کیا اور دوسرا "مسلمان عورت کا کردار" پر مارشیس کے جناب محمد حباب نے پیش کیا۔ حاضرین کی تعداد اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے پر مشتمل تھی۔ مقالات پیش کرنے سے پہلے قرآن ہاؤس کے نئے منصوبے کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس نئے منصوبے کے تحت یہاں ایک عالی شان مسجد، ایک لیکچر ہال، لائبریری، دینی درس گاہ اور مہمان خانہ تعمیر کیا جائے گا۔

سنگِ بنیاد کی رسمی کارروائی کے بعد دُعا مانگی گئی اور پھر مقالات پیش کیے گئے۔ مقالات کے بعد حسبِ سابق حاضرین نے گروپوں کی صورت اختیار کر لی۔ یہاں عورتوں کے اندر اسلام کی دعوت پھیلانے کی شدید ضرورت ہے۔ اِسی ضرورت کو سامنے رکھ کر گروپوں نے خواتین ماریشیس کے اندر اسلامی تحریک برپا کرنے پر غور کیا۔ اس سلسلے میں اطمینان بخش بات یہ ہے کہ اس موضوع پر خود خواتین اور طالبات نے بھی دلچسپی لی۔ اس سیمینار میں اُن کی ایک تعداد بھی پابندی سے تمام پروگراموں میں حصہ لیتی رہی ہے۔ دیگر مسلمان ممالک اور مسلمان آبادیوں کی طرح ماریشیس کی مسلمان عورت بھی اسلام کی تعلیم سے بڑی حد تک بے بہرہ ہے۔ ایک طرف مسلمان لڑکیاں اسکولوں اور کالجوں میں جدید تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور یہاں کے مخلوط معاشرے سے متاثر ہو رہی ہیں اور دوسری طرف اسلامی تعلیم سے اُن کو محروم رکھنے کے لیے کچھ حلقے اس قدر بضد ہیں کہ جمعہ کے روز مسجدوں میں اُن کی حاضری کو معیوب سمجھتے ہیں۔ پاکستان سے بعض اہلِ غرض مبلغ یہاں آکر اس بات پر تو تنقید نہیں کرتے کہ مسلمان لڑکیاں نیم عریاں لباس پہنے بازاروں میں شاپنگ کے لیے نکلیں یا کالجوں میں مخلوط تعلیم حاصل کریں۔ البتہ وہ اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ "خواتین کا مسجد میں جمعہ کے لیے آنا فتنہ ہے"۔ مجھے بعض دوستوں نے بتایا کہ پاکستانی مبلغین عورتوں پر یہ پابندی اس لیے لگاتے رکھنا چاہتے ہیں کہ کہیں ان کے اندر دین کا شعور نہ پیدا ہو جائے جس سے اُن مبلغ حضرات کا پیری اور مریدی کا کھیل ہی خراب ہو جائے۔

آج ۱۱ دسمبر رات کو عشاء کے بعد قرآن ہاؤس ہی میں میری تقریر تھی۔ حاضرین کی خاصی تعداد تھی اور اُن کی اکثریت نوجوانوں پر مشتمل تھی۔ لڑکیاں بھی شریک تھیں، انہیں تمام پروگراموں میں الگ پردے کے اندر بٹھایا جاتا تھا۔ میری تقریر اُردو میں تھی، کیونکہ ماریشیس کے ایشیائی مسلمان جو بالعموم پاک و ہند سے یہاں آکر مدتوں پہلے آباد ہو گئے ہیں، اُردو سمجھ لیتے ہیں اور بول بھی لیتے ہیں۔ حسن دھالی صاحب نے بایں ہمہ آخر میں میری تقریر کا کریولی زبان میں خلاصہ پیش کر دیا۔ کریولی زبان (CREOLE) فرنچ اور مقامی زبانوں سے مل کر یہاں کی "عوامی زبان" بن چکی ہے۔ اور ماریشیس، ریفیون، مڈغاسکر، سیشلز اور

سمورو کے جزائر میں بڑا رواج پا چکی ہے۔

قرآن ہاؤس کا منصوبہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۳ء: ناشتے کے بعد دھال صاحب کے ساتھ قرآن ہاؤس گیا۔ دھال صاحب اور اُن کے رفقائے کار نے اپنے دعوتی کام کی تفصیلات سے آگاہ کیا اور اس سلسلے میں اپنے آئندہ منصوبے بیان کیے۔ "قرآن ہاؤس" ان کا نیا منصوبہ ہے۔ یہ آدھ ایکڑ رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ زمین اُنھوں نے خرید لی ہے۔ اب عمارت کی تعمیر کے لیے تگ و دو کر رہے ہیں۔ موجودہ پُرانی عمارت کو گرا کر اسی جگہ نئی عمارت بنانا چاہتے ہیں۔ سردست اسلامک سرکل کا دفتر اسی عمارت میں ہے۔ دفتر کے ساتھ ایک اچھی ریفرنس لائبریری بھی ہے۔ ریڈنگ روم بھی ہے۔ نیز اسلامی لٹریچر کی فروخت کا انتظام بھی ہے۔ ہفتہ اور اتوار کو یہاں بچیوں کے لیے قرآن کریم اور عربی زبان کی تعلیم کی کلاسیں بھی لگتی ہیں۔ عورتوں اور بچیوں کے اندر دین کی تعلیم پھیلانے کے لیے اسلامک سرکل کو ایک یہ سہولت بھی حاصل ہو گئی ہے کہ ماریشیس کی پانچ مسلمان طالبات نے ریاض (سعودی عرب) کے گرلز کالج سے عربی میں گریجوایشن کر لیا ہے۔ ان میں سے چار تو فارغ ہو کر واپس آ گئی ہیں اور ایک طالبہ سال رواں میں فارغ ہو جائے گی۔ یہ بچیاں اب یہاں اسلامی دعوت کے لیے مسلسل کام کر رہی ہیں۔

ماریشیس کا معاشرہ اور مسلمان ماریشیس کی سوسائٹی بڑی دلچسپ ہے۔ یہاں کی آبادی ایک ملین (دس لاکھ) کے قریب ہے۔ اس میں اکثریت ہندوؤں کی ہے جن میں "اعلیٰ ذات" کے ہندو بھی اور "نیچی ذات" کے مدراسی بھی۔ یہ زیادہ تر جنوبی ہند کی ٹامل اور تلنگو زبانیں بولنے والے ہیں۔ مجموعی طور پر ان تمام قسم کے ہندوؤں کا تناسب ۴۵ فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ دوسری بڑی کمیونٹی عیسائی ہیں، یعنی ۲۶ فیصد کے لگ بھگ۔ ان عیسائیوں میں کچھ فرنچ ہیں جو فرانس کے دورِ حکومت میں یہاں آکر آباد ہوئے اور اب ان کی تعداد ۳۰ ہزار کے قریب ہے۔ کچھ انگریز ہیں۔ چینی کمیونٹی کے اندر بھی عیسائی مذہب کے لوگ ہیں، مگر ان کی عیسائیت صرف سال میں ایک آدھ تقریب منانے اور اس میں آتش بازی کا کھیل رچا لینے سے عبارت ہے۔ تیسری کمیونٹی مسلمان ہیں۔ ہمارے دوستوں کے کہنے کے مطابق مسلمان ۱۷ فی صد سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ یہ مسلمان زیادہ تر ایشیائی ہیں۔ ماریشیس میں شاید کچھ بدھ مذہب کے پیرو

اور ارواح پرست بھی ہوں گے ۔ ایک ملین آبادی کے جزیرے میں یوں رنگا رنگ مذاہب، نسل، زبان اور تہذیبوں کے لوگوں کا پایا جانا ایک دلچسپ منظر پیدا کرتا ہے ۔ جنوبی ہند کے کالے رنگ کے تامل اور تلگو، افریقہ کے سیاہ ترین باشندے، گندمی رنگ کے شمالی ہند کے لوگ، گورے رنگ کے فرنچ اور انگریز اور زرد رنگ و روپ کے چینی۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کو اپنی آیات نشانیاں بتایا ہے ۔ وہ نشانیاں آپ کو ماریشیس میں قدم قدم پر جلوہ فروز دکھائی دیں گی ۔ چہروں کے مختلف خدوخال، کہیں طویل اور ستواں ناک اور کہیں موٹی اور چپٹی ناک ۔ کہیں اردو، تامل، تلگو، گجراتی اور مرہٹی اور کہیں چینی و ملائی ۔ کہیں انگلش اور فرنچ اور کہیں افریقہ کی عجوبہ زبانیں ۔ فتبارك الله احسن الخالقين ۔

لباس اور اطوار میں بھی بڑا تلون پایا جاتا ہے ۔ ہندو عورتیں ساڑھی یا اسکرٹ پہنے اور ماتھے پر تلک لگائے باہر نکلیں گی ۔ مسلمان عورتوں نے کسی نہ کسی حد تک قمیص اور پاجامے کو اپنا رکھا ہے، مگر دوپٹہ غائب ہے ۔ اور باقی نسلوں نے فرنچ اور انگلش تہذیب کو قبول کر رکھا ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ سب مذہب و ملت کے لوگ اغلب طور پر مغرب کی عریاں اور نشہ پسند تہذیب کے رسیا ہو چکے ہیں ۔

ایک سو دس مسجدیں

ماریشیس کا کل رقبہ ۷۵۰ مربع میل ہے ۔ اس میں تقریباً ایک سو بیس قصبات اور بستیاں پائی جاتی ہیں ۔ آپ کو ہر بستی میں ایک دو مسجدیں مل جائیں گی ۔ گرجے نظر آئیں گے، بت خانے اور مندر ملیں گے اور یوں اپنے اپنے تشخص کی حفاظت کے لیے انسان مختلف طریقوں سے جدوجہد کرتے دکھائی دیں گے ۔ مجھے دوستوں نے بتایا کہ ایک سو بیس قصبات اور بستیوں والے ملک میں تقریباً ایک سو دس مسجدیں ہیں ۔ خاکسار نے متعدد مسجدیں خود بھی جا کر دیکھی ہیں ۔ ماریشیس کے مسلمان مسجد بڑی خوبصورت، شفاف اور آرام دہ بنائیں گے ۔ ہر مسجد کے اوپر لاؤڈ اسپیکر نصب ہوگا ۔ پانچوں وقت پابندی سے جماعت قائم کی جائے گی ۔ مسجد میں طہارت اور وضو کا نہایت ستھرا انتظام ہوگا اور اب تو نمازیوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے ۔ علی الخصوص نوجوانوں

کے اندر نماز اور دینداری کا ذوق فزوں تر ہوتا جا رہا ہے۔

رات کا کھانا حسن دھال صاحب کے بھائی آدم دھال صاحب کے ہاں کھایا۔ ان کا مکان بھی بڑا ہی سب سے خوبصورت خوشنما طریقے سے بنایا گیا ہے۔ یہاں کے تمام مکانوں میں یہ بات مشترک ہے کہ وہ صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ دو منزل کے ہوں گے۔ طرزِ تعمیر سادہ، مگر دلکش ہوگا اور ہر گھر کے صحن میں ایک باغیچہ ہوگا جس میں آم اور لیچی کے درخت اور رنگ برنگ پھولوں کے پودے ہوں گے۔ یوں ہر گھر اپنی ذات میں ایک انجمن ہوگا۔ فارسی شاعر نے ایسی "گھریلو انجمن" کے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا ہے ؎

نفستن اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ باغ و سمن در آ
تو زِ غنچہ کم نہ دمیدہ ای درِ دل کشا بہ چمن در آ

آدم دھال بڑے متدین، متواضع صوفی منش انسان ہیں۔ خود بھی نیک ہیں اور ان کی اولاد بھی نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ ہے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ پوری دھال فیملی نیک انسانوں کا جمگھٹا ہے۔ آدم دھال، ہاشم دھال اور حسن دھال اور ان کی اولاد سب کو میں نے پانچوں وقت مسجدوں میں جا کر پابندی کے ساتھ نمازِ باجماعت پڑھتے دیکھا ہے۔ ان سب بھائیوں نے مل کر ماریشس میں مشترکہ کاروبار جاری کر رکھا ہے اور سب تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہیں۔ آدم دھال صاحب نے بتایا کہ وہ ایک حج کر چکے ہیں اور اب دوسرے حج کے لیے جائیں گے اور اسی سفر میں پاکستان آئیں گے۔

تحریکِ اسلامی

آدم دھال کے ہاں کھانے سے فارغ ہوتے تو اسلامک سرکل کے ایک اور فعال اور پُرجوش کارکن غلام محمد صاحب کے ہاں گئے۔ انہوں نے ہمیں اسلامی سیمینار کی پوری ویڈیو فلم دکھائی۔ مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اسلامک سرکل بھی دعوت و تحریک کے میدان میں جدید وسائل سے کام لے رہا ہے۔ غلام محمد صاحب کا کاروبار ایڈورٹائزنگ ہے۔ وہ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے مالک ہیں۔ اس فن میں وہ بہت ماہر ہو چکے ہیں۔ اسلامی سیمینار کی فلم بھی انہوں نے بڑے معیاری انداز میں بنائی ہے۔ الحمدللہ ماریشس کے آزاد معاشرے میں تحریکِ اسلامی کے لوگ اسلامی روایات کی پابندی کر رہے ہیں۔ ان کی خواتین باپردہ ہیں اور

مخلوط اجتماعات سے بڑی حد تک پرہیز کرتی ہیں۔ چلتے وقت غلام محمد صاحب نے مجھے جزیرۂ ریئیون کا بنا ہوا عطر پیش کیا۔ جزیرہ ریئیون چونکہ فرانس کے تحت رہا ہے، اس لیے وہاں عطر سازی کا کاروبار فرانسیسیوں کے ہاتھ میں ہے اور فرانس کے لوگ دُنیا کے اندر عطر بنانے میں خاص شہرت کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب غلام محمد صاحب نے مجھے عطر پیش کیا تو بڑی وضاحت کے ساتھ تو جہ دلائی کہ "یہ عطر ریئیون کا ہے"۔ ماریشیس کا نہیں ہے۔

مسجد بیت المقدس اور وہاں کی نمازیں ۱۳ دسمبر ۱۹۸۳ء: نمازِ فجر "مسجد بیت المقدس" میں ادا کی۔ یہ مسجد حسن دھال صاحب کے مکان سے کافی دُور ہے، مگر حسین دھال صاحب اور اُن کا صاحبزادہ سلیم دھال روزانہ فجر اور مغرب اور عشاء کی نمازیں مسجد بیت المقدس میں بذریعہ موٹر جا کر پڑھتے ہیں۔ یہ اُن حضرات کا معمول ہے۔ اس میں کوئی سستی یا کوتاہی نہیں کرتے۔ مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ فجر یا رات کو مسجد جاتے وقت یہ راستے کے مسلمان گھرانوں کے سامنے سے گذر کر جاتے ہیں، تاکہ اُن میں سے کوئی شخص مسجد جانے کے لیے نکل رہا ہو تو اُسے بھی موٹر میں بٹھا لیں۔ خاکسار جتنا عرصہ ماریشیس میں دھال صاحب کے مکان پر رہا۔ ہر روز فجر کی نماز کا یہی پروگرام رہا۔ مسجد بیت المقدس میں آنے والے اکثر حاضرین کاروں کے ذریعے آتے ہیں اور راستے میں دیگر نمازیوں کو لفٹ دیتے ہوئے آتے ہیں، نیز نماز سے پہلے یا نماز کے بعد یہ سب لوگ ضرور باہم ملاقات کریں گے اور اگر کوئی نماز سے غائب ہو رہا ہو تو اس کے بارے میں پوچھ گچھ کریں گے۔ مسجد کے دروازے کے باہر، صحن کے اندر سیمنٹ کے بنچ بچھے ہوئے ہیں۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ اُن پر آکر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک رواں دواں ہلکی پھلکی سی اسمبلی منعقد ہو جاتی ہے۔ یہ ایک دوسرے کے حالات سے آپ ٹو ڈیٹ واقفیت رکھنے کا ایک عمدہ طریقہ ہے، خصوصاً ایسے معاشرے میں جہاں مسلمان آبادی یک جا کم ہے، بلکہ جگہ جگہ بکھرے ہوئے گھر ہیں۔

درسِ حدیث نمازِ فجر کے بعد حاضرین کی فرمائش پر خاکسار نے درسِ حدیث دیا جو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اس مشہور روایت پر مبنی تھا جس میں وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول، مجھے کوئی ایسا کام بتا دیں جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہوجاؤں اور دوزخ سے بچ جاؤں۔ پھر ان کے سوال کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی جامعیت کے ساتھ دین کی بنیادیں اور دین کے اصل تقاضے بیان فرمائے۔ "مسجد بیت المقدس" بھی بو مباسا میں واقع ہے۔ نمازیوں میں اکثریت ۱۸ تا ۲۵ سال کے نوجوانوں کی نظر آتی رہی ہے۔ مسجد کا امام وخطیب احمد فؤاد نامی ماریشیس کا ایک نوجوان ہے۔ ازہر سے تعلیم حاصل کر کے آیا ہے۔ عربی روانی سے بولتا ہے۔ قرآنِ کریم کی تلاوت بڑے سوز اور خوش الحانی سے کرتا ہے۔ خاکسار نے جتنی جہری نمازیں اس نوجوان کے پیچھے پڑھی ہیں، ان میں بڑا لطف محسوس کیا ہے۔ یہ صرف میرا تاثر نہیں ہے بلکہ عام نمازی بھی یہی کہتے سُنے گئے۔ مسجد بیت المقدس کے نمازیوں میں بکثرت تحریکِ اسلامی سے وابستہ لوگ ہیں، بلکہ اس مسجد کو تحریک اسلامی کی مسجد کہا جاتا ہے۔ مسجد کے اندر قرآن کریم کے علاوہ دیگر جو لٹریچر برائے مطالعہ رکھا ہوا ہے، اس میں تحریکی کتابیں موجود ہیں۔ مولانا مودودیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی تفہیم القرآن کا انگریزی ترجمہ بھی رکھا ہوا ہے۔

پورٹ لوئس صبح ناشتے کے بعد خاکسار اور جناب محمد حسین ملک صاحب حسن دھال کے ساتھ ماریشیس کے دارالحکومت پورٹ لوئس میں گئے۔ یہ جگہ عین سمندر کے کنارے واقع ہے سرکاری دفاتر اور تجارتی مراکز اسی شہر میں واقع ہیں۔ بحری جہازوں کی آمد و رفت نے اس شہر کو پُر رونق بنا رکھا ہے۔ راستے میں سڑک کے دو رویہ رنگ برنگ کے درخت اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ آم، لیچی اور ناریل کے درختوں نے قدرتی حسن میں مزید اضافہ کر رکھا ہے۔ شہر کے اردگرد کا علاقہ صنعتی مرکز کہلاتا ہے۔ پورے ماریشیس میں اس وقت ۲۵۰ فیکٹریاں اور کارخانے ہیں۔ ان میں زیادہ تر شکر سازی کے کارخانے اور کپڑے کی ملیں ہیں۔ چینی اور ہندو اس میدان پر محیط ہیں۔ مسلمانوں نے بھی کچھ کارخانے کھول رکھے ہیں لیکن وہ نسبتاً کم ہیں۔ کپڑے کا سب سے بڑا کارخانہ ایک مسلمان کے پاس ہے۔

سٹوڈنٹس اسلامک سنٹر دھال صاحب اور اُن کے تمام بھائیوں نے مل کر ایک ایجنسی کھول

رکھی ہے اور موٹروں کے فالتو پرزے اور ہارڈ ویئر کا کاروبار کرتے ہیں۔ دھال صاحب کے دفتر سے نکل کر ہیں اور محمد حسین ملک صاحب سٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ (S.I.M) سنٹر چل دیئے۔ یہ بھی پورٹ لوئس ہیں واقع ہے۔ بلکہ پورٹ لوئس کے دل ہیں واقع ہے۔ جہاں یہ دفتر ہے اس کے سامنے پورٹ لوئس کی عظیم الشان مرکزی مسجد ہے۔ جو لوگ اس مسجد میں نماز کے لیے آتے ہیں وہ S.I.M کے مرکز کو دیکھے بغیر نہیں گزر سکتے۔ S I M والوں نے عربی زبان میں بھی اپنا ایک بہت بڑا بورڈ لگا رکھا ہے جس میں لکھا ہوا ہے الحرکۃ الطلابیۃ الاسلامیہ ہم دفتر میں داخل ہوتے تو S I M کے صدر پروفیسر عبدالخالق صاحب نے ہمارا استقبال کیا اور پھر ہمیں اپنی تمام سرگرمیوں کی تفصیل بتائی۔ (یہ تفصیلات ایک الگ مضمون میں "ماریشیس میں اسلام اور مسلمانوں کا ماضی و حال" کے عنوان سے بیان کی جا رہی ہیں) عبدالخالق صاحب ۳۰-۲۵ سال کے نوجوان ہیں۔ ہندوستان کی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انہوں نے گریجوایشن کیا ہے۔ پانچ سال تک تحریک اسلامی ہند سے وابستہ رہے ہیں اور مولانا ابواللیث اصلاحی اور تحریک اسلامی ہند کے نامور رہنما ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب سے انہوں نے تربیت پائی ہے۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران میں طلبہ کی اسلامی تنظیم سے وابستہ رہے ہیں۔ جونہی ۱۹۷۲ء میں وطن واپس آئے ہیں، مسلمان نوجوانوں کے اندر دعوت اسلامی کی اشاعت کا کام شروع کر دیا ہے۔ اپنی فکر، تربیت اور تجربہ کے لحاظ سے یہ ماریشس کی اسلامی تحریک کے اندر ایک قابل قدر اضافہ ثابت ہو رہے ہیں۔ خود بھی نوجوان ہیں اور تازہ ولولوں اور اُمنڈتے جذبوں سے بہرہ ور ہیں اور دوسرے نوجوانوں کے اندر بھی یہی روح پھونک رہے ہیں۔ تدریس کا کام بھی ساتھ ساتھ کرتے ہیں، اس وقت پورٹ لوئس میں گورنمنٹ کالج کے وائس پرنسپل ہیں۔

سنٹر کے شعبہ ہائے کار S I M کا سنٹر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نہایت اہم جگہ پر واقع ہے۔ البتہ اس میں جگہ بہت تنگ ہے اور S I M کے پھیلتے ہوئے منصوبوں کے لیے یہ بالکل ناکافی ہے۔ اس سنٹر میں ایک اچھا مکتبہ بھی ہے، جس میں تحریکی لٹریچر کے علاوہ دیگر درسی کتابیں بھی فروخت کی جاتی ہیں۔ شعبۂ خواتین کا دفتر بھی ہے، جس پر وومن اسلامک

موومنٹ (M I M) کی تختی لگی ہوئی ہے۔ مطالعہ کے لیے ایک چھوٹی سی لائبریری بھی مہیا کی گئی ہے۔ اس تنگنائے کے اندر جو شعبے کام کر رہے ہیں ان میں اہم یہ ہیں: شعبہ ریکارڈنگ (اس میں ماریشس ریڈیو اور ٹی وی کے لیے مسلمانوں کے پروگرام تیار کیے جاتے ہیں)۔ شعبہ تربیت (نوجوانوں کے لیے تربیتی کیمپ لگانے کا شعبہ)۔ شعبہ دعوت و تبلیغ، شعبہ مفت تقسیم کتب، شعبہ امور طلبا، شعبہ بیرونی بھرتی (ماریشس کے نوجوانوں کو عرب ممالک میں ملازمتیں دلوانے کا شعبہ)، شعبہ طباعت، شعبہ غیر مسلم کے اندر دعوت و تبلیغ، شعبہ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، شعبہ امور خارجہ، شعبہ تراجم وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام شعبوں کے لیے الگ الگ کمرے نہیں ہیں، بلکہ دو تین کمروں کے اندر ہی یہ تمام "جن" بند کیے گئے ہیں۔ M ا ی کی سرگرمیوں کی مکمل رپورٹ تو الگ دی جائے گی مگر چند اشارے یہاں بھی کیے دیتا ہوں۔

اسلامی طلبہ کا مکتبہ اور مالی نظام

عبدالخالق صاحب نے بتایا کہ اس وقت M ا ی کے مکتبے میں دو لاکھ روپے کی مالیت کی کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے۔ یہ کتابیں فرانسیسی، انگریزی اور اردو میں ہیں۔ ماریشس میں کتابوں کی بہت مانگ اور کھپت ہے، مگر سرمائے کی کمی کی وجہ سے وہ زیادہ کتابیں باہر سے نہیں منگوا سکتے۔ کتابوں کی فروخت کے بارے میں انھوں نے یہ بتایا کہ کم از کم ہر ماہ دس ہزار روپے کی کتابیں بک جاتی ہیں۔ M ا ی کے ارکان کی تعداد ۱۸ سے ۲۰ ہے، متفق ہزاروں تک ہیں۔ باقاعدہ اعانت دینے والوں کی تعداد ۱۱۵ ہے۔ بعض ایسے ارکان اور متفق بھی ہیں جو اپنی تنخواہ کا دس فی صد M ا ی کو دیتے ہیں۔ یہ اعانتیں وہ اپنے نوجوان ساتھیوں سے لیتے ہیں۔ عام مسلمان تاجروں کی طرف ان کا رجوع نہیں ہے اور ابھی مصلحتاً وہ عام تاجروں کی طرف رُخ کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ عبدالخالق نے نوجوانوں کے اندر اپنے کام کی رفتار بیان کرتے ہوئے اشارۃً کہا کہ افغانستان پر روس کی جارحیت کے خلاف M ا ی نے ایک ہنگامی مظاہرہ کیا، جس میں کم از کم تین ہزار نوجوان شریک ہوئے۔ یہ دو میل لمبا مارچ تھا۔

---

(۲)

آج بھی حسبِ معمول نمازِ فجر مسجد بیت المقدس میں ادا کی گئی۔ پچھلے خط میں عرض کر چکا ہوں کہ اس مسجد کا امام و خطیب ایک صالح نوجوان ہے۔ احمد فوّاد اس کا نام ہے۔ نماز سے واپس آکر ناشتہ کیا اور پھر پورٹ لوئس روانہ ہو گئے۔ یہ ماریشس کا صدر مقام بھی ہے اور ماریشس کا تجارتی اور ثقافتی مرکز بھی۔ ہم تو پورٹ لوئس سے دور ایک شہر لوباسا میں ٹھیرے ہوئے ہیں۔ آبادی گنجان ہے۔ ایک شہر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا شروع ہو جاتا ہے۔ لوباسا، روزہل، کیوپی پی اور پھر پورٹ لوئس یہ چاروں الگ الگ ٹاؤن ہیں، مگر ان میں تمیز کرنا مشکل ہے۔ گھنے درختوں اور پھول دار بیلوں نے مزید یکسانیت پیدا کر دی ہے۔

پورٹ لوئس کے متعلق مزید معلومات

پورٹ لوئس میں فرانسیسیوں اور انگریزوں کی کچھ یادگار عمارتیں ملتی ہیں۔ یہ جزیرہ اصل میں بحری قزاقوں کی پناہ گاہ تھا۔ بحرِ ہند اور کیپ ٹاؤن سے آنے والے بحری بادبانی جہاز ان قزاقوں کی زد میں رہتے تھے۔ یہ لوگ ان جہازوں کو لوٹ کر جزیرہ میں آکر چھپ جاتے اور کوئی اِن پر قابو نہ پا سکتا تھا۔ عرب تاجر بھی اس جزیرے میں آتے رہے۔ ماریشس میں ایسے قدیم کتبے پائے گئے ہیں جن پر یہ عبارت کندہ ہے: "عربی دنیا" یعنی دینِ عرب۔ اِس سے دو مفہوم اخذ ہوتے ہیں: ایک عربوں کی یہاں آمد اور دوسرے "دینِ اسلام" کا تعارف۔ محققین یہ کہتے ہیں کہ عرب آئے تھے، مگر وہ پھر یہاں نہ رہے، بلکہ واپس چلے گئے۔ ولندیزوں نے جب سمندروں میں گردش شروع کی تو وہ ماریشس بھی آئے۔ چنانچہ ۱۶۳۸ء میں اس جزیرے پر ڈچ کا قبضہ ہو گیا۔ ۱۷۱۵ء میں فرانس آگیا اور ڈچ کو شکست دے کر خود قابض ہو گیا۔ اہلِ تحقیق بتاتے ہیں کہ فرانسیسی فوجوں میں کچھ سپاہی مسلمان بھی تھے۔ ان مسلمانوں نے یہاں اسلام کا اوّلین پرچار کیا۔ اس کے بعد یہاں مسلمانوں کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ قدیم مسجدیں بھی پائی جاتی ہیں۔ جو شاید فرانسیسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ قدیم مسجدیں گو اب ترمیم و تجدید کے بعد بہت بدل ڈالی گئی ہیں، مگر ان کی بعض دیواروں اور اینٹوں سے ان کی قدامت اور تاریخ حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔ ۱۸۱۴ء میں انگریزوں

نے فرانسیسیوں کو شکست دے کر خود اپنی حکمرانی قائم کر لی اور پھر انگریزی دور میں یہاں برعظیم ہند سے مسلمانوں کی آمد شروع ہو گئی۔ چنانچہ آپ کو یہاں جنوبی ہند کے لوگ کثرت سے ملیں گے۔ ان میں ہندو بھی ہیں اور میمن بھی اور کچھی مسلمان بھی۔ ہندوستان کے دوسرے حصوں کے لوگ بھی کافی ہیں۔ ۱۲ مارچ ۱۹۶۸ء کو ماریشیس کامن ویلتھ کے اندر ایک آزاد ملک بن چکا ہے، مگر اس حال میں کہ یہاں مختلف اقوام اپنی اپنی نسلی اور لوتی اور لسانی خصوصیات کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فرانس دیر ہوئے یہاں سے رخصت ہو گیا، مگر اب بھی یہاں ۳۰-۴۰ ہزار کی تعداد میں فرانسیسی کمیونٹی رہتی ہے۔ یہی حال انگریز کمیونٹی کا ہے۔ ہانگ کانگ کے چینی اور پھر پڑوسی ممالک کے افریقی بھی یہاں آگئے۔ یوں مختلف اقوام پر مشتمل یہ ملک اپنی خود مختاری سے ہمکنار ہو گیا۔ ان تمام اقوام کی زبان اور تہذیب مختلف ہے، مگر اپنی ضرورت کے تحت یہاں کے لوگوں نے ایک زبان اختیار کر لی ہے، اسے کریولی زبان کہتے ہیں۔ اسے ٹوٹی پھوٹی فرینچ کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔ مسلمانوں نے اس میں اپنے دینی اور روایاتی الفاظ شامل کر رکھے ہیں، ہندوؤں نے اپنا رنگ اس پہ چڑھانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال کریولی یہاں کی عامی زبان ہے۔ اس کے بعد انگریزی زبان کو رواج ملا ہے۔ اور ساتھ ساتھ ہر قوم اپنی اپنی زبان کو بھی کسی حد تک باقی رکھنے کی کوشش کر رہی ہے، مگر میرا خیال ہے کہ آئندہ نسلیں اپنی اصل زبان سے قطعاً ناآشنا ہو جائیں گی اور کریولی کی ہمہ گیر سیادت قائم ہو جائے گی۔ کریولی اب ثقافتی اور علمی خدمات بھی انجام دینے لگی ہے۔ ہمارے ایک دوست حسین انابو صاحب نے کریولی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ بھی کر دیا ہے مجھے بعض حضرات سے یہ معلوم ہوا کہ عام لوگ اس ترجمے کو اپنے لیے زیادہ مفید پاتے ہیں۔

پورٹ لوئس میں ہم محمد حسین دھال صاحب کے دفتر میں کچھ عرصہ کے لیے بیٹھ گئے۔ گرمی خاصی ہے، علی الخصوص پورٹ لوئس میں جو عین ساحل سمندر پہ واقع ہے۔ اس لیے گرمی اور حبس دونوں جمع ہو رہے ہیں۔ دھال صاحب اور ان کے دونوں بھائی آدم دھال اور ہاشم دھال بڑے متدین اور تحریک اسلامی سے محبت رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ دراصل لکھنؤ سے یہاں آئے ہیں۔ غالباً پہلی مرتبہ ان کے دادا یہاں آئے تھے اور اس وقت سے اس گھرانے کا

یہیں بسیرا ہے۔ اسلامی سرکل جسے مارشیس کی پہلی اسلامی تحریک کہنا چاہیے ان تمام بھائیوں کی مدد اور تعاون سے قائم ہوا ہے اور ابھی تک چل رہا ہے۔

سٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ کے تفصیلی احوال

پورٹ لوئس کی "مرکزی مسجد" کے پاس ہی سٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ کا مرکزی دفتر ہے۔ اختصار کے ساتھ اسے سم سے یاد کرلیا جاتا ہے۔ دھال صاحب کے دفتر سے اٹھ کر ہم سم کے دفتر میں گئے۔ سم کے صدر عبدالخالق صاحب اور ان کے چند رفقاء دفتر میں موجود تھے۔ سم کی سرگرمیوں کے متعلق ان کے ساتھ بالتفصیل بات چیت رہی۔ سم کا مرکزی دفتر نہایت اہم جگہ پہ واقع ہے۔ یہ مرکزی مسجد کے عین سامنے ہے۔ جو شخص بھی مرکزی مسجد میں داخل ہوگا سم کے دفتر سے لازماً گزرے گا۔ دفتر کی جگہ تنگ، مگر محل وقوع کے لحاظ سے اس کی افادیت غیر معمولی ہے۔ اسی چھوٹے سے دفتر میں سم والوں نے بہت سے شعبے قائم کر رکھے ہیں مثلاً شعبۂ تنظیم، شعبۂ دعوت و تبلیغ، شعبۂ امور طلبار، شعبۂ ترجمہ، شعبہ طباعت، ریڈیو اور ٹی وی کے لیے پروگرام تیار کرنے کا شعبہ، شعبۂ تربیت، شعبۂ تقسیم کتب، شعبۂ بیرونی بھرتی وغیرہ وغیرہ۔ اسی دفتر میں خواتین کا شعبہ بھی ہے، جسے اختصار کے ساتھ وِم کہتے ہیں (وومن اسلامک موومنٹ)۔ کتابوں کی فروخت بھی یہاں ہوتی ہے بلکہ دفتر میں داخل ہوتے ہی پہلے مکتبہ آتا ہے۔ مکتبہ گو بڑا نہیں ہے تاہم نصابی کتابوں اور اسلامی کتابوں کا مناسب ذخیرہ مکتبے میں موجود ہے۔ عبدالخالق صاحب نے بتایا کہ اس وقت مکتبہ میں ۲ لاکھ روپے کی کتب موجود ہیں۔ ماہانہ دس ہزار روپے کی کتابیں بک جاتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اگر سرمایہ زیادہ ہو تو مختلف اسلامی موضوعات کی کتابیں منگوائی جاسکتی ہیں، کیونکہ مارشیس کے نوجوانوں کے اندر اب اسلامی کتب کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ نیز مارشس سے جزیرہ ریئیون، جزیرہ مڈغاسکر اور سیشلز اور کموروکے جزائر تک کتابیں سپلائی کی جاسکتی ہیں۔ سم کی پانچ اپنی بھی مطبوعات ہیں جو فرنچ میں ہیں۔

سم گو سٹوڈنٹس کے اندر تحریک اسلامی کی دعوت کی اشاعت کر رہی ہے، مگر اب عام لوگوں کے اندر بھی اس نے اپنا کام پھیلا دیا ہے۔ مثلاً غیر مسلموں کے اندر دعوت کا کام، مزدوروں کے اندر دعوت کا کام، اسلامی تقریبات کے موقع پہ ریڈیو اور ٹی وی پہ اپنا

پروگرام پیش کرنا۔ اب تک سم کے ارکان کی تعداد ۱۸ ہے اور متفقین ہزاروں سے متجاوز ہیں۔ مالی لحاظ سے سم کا زیادہ تر دارو مدار اپنے ارکان اور متفقین کی اعانتوں پر ہے۔ عبدالخالق صاحب نے بتایا کہ ہمارے بعض ایسے ارکان اور متفقین بھی ہیں جو تحریک کو اپنی تنخواہ کا دس فی صد دیتے ہیں۔ اعانت دینے والوں کی مجموعی تعداد ۱۱۵ ہے۔ عبدالخالق صاحب نے یہ بھی واضح کیا کہ وہ صرف تحریک سے وابستہ افراد سے اعانت لیتے ہیں۔ عام تاجروں کی طرف ابھی تک انہوں نے رجوع نہیں کیا ہے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بتائی کہ سم مخصوص مقاصد اور متعین طریق کار کو اپنائے ہوئے ہے اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ کچھ لوگ ہماری مالی امداد کر کے ہمارے اوپر اپنے نظریات و خیالات کو مسلط کرنا شروع کر دیں۔

سم نے اردگرد کے انڈین اوشن کے ممالک میں بھی کام کا آغاز کر رکھا ہے۔ جزیرہ ریینیوں میں ان کی ایک شاخ ہے۔ مڈغاسکر میں بھی سنٹرل اسلامک سٹڈیز مڈغاسکر (SIRM) کے ذریعہ وہ دعوت پھیلا رہے ہیں، بلکہ وہاں ایک تربیتی کیمپ بھی لگا چکے ہیں۔ آئندہ اپریل میں جزیرہ ریینیوں میں تربیتی کیمپ لگانے کا پروگرام بنا چکے ہیں۔ عبدالخالق صاحب کموزو کا دورہ بھی کر چکے ہیں۔

"سم" کے سات مراکز ماریشس کے اندر سم کے سات مراکز ہیں۔ پورٹ لوئس میں جہاں ہم بیٹھے ہیں، اُن کا مرکزی دفتر ہے۔ سم کی جو کارکردگی بیان کی جا رہی ہے یہ اُس کی گیارہ سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کیونکہ سم کا قیام ۱۹۷۲ء میں ہوا ہے۔ عبدالخالق صاحب جب علی گڑھ کی تعلیم سے فارغ ہو کر یہاں آئے تو کسی تاخیر کے بعد انہوں نے سم کی بنیاد ڈال دی۔ اور یہ طلبہ سے نکل کر عوام میں داخل ہو رہے ہیں، بلکہ بعض سیاسی مسائل میں بھی اُنھوں نے حصہ لیا ہے، مثلاً جب افغانستان پر رُوس نے جارحانہ قبضہ کیا تو سم والوں نے دو میل لمبا احتجاجی مظاہرہ کیا۔ اس میں تقریباً تین ہزار افراد نے شرکت کی۔ گورنمنٹ اسکولوں میں اسلامیات کے کورس میں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب رسالہ دینیات کا انگریزی اور فرانسیسی ترجمہ رکھوانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، مگر ابھی تک کامیاب نہیں ہوئے۔

عبدالخالق صاحب اپنے کام کی تفصیلات بیان کر رہے تھے اور خاکسار اور ملک محمد حسین صاحب

بڑے غور سے سن رہے تھے ۔ دل چاہتا تھا کہ اس موضوع پہ کچھ مزید وقت صرف کیا جائے، لیکن دیگر پروگراموں کو نبھانے کے لیے ہم اٹھ کھڑے ہوئے ۔ اس وعدے پر کہ دوبارہ سم کے دفتر میں حاضری دیں گے ۔ سم کی کارکردگی کی پوری رپورٹ ہم "انڈین اوشن میں اسلامی تحریک" کے عنوان پہ الگ بیان کریں گے ۔

روز ہل کی سنی مسجد آج عصر کی نماز روز ہل کی سنی مسجد میں ادا کی ۔ یہاں بھی نمازیوں کی حاضری خاصی تھی ۔ یہ وہی مسجد ہے جس میں حافظ محمد انور صاحب تین، چار سال تک امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں ۔ مسجد کے اردگرد کے مکانات قدیم فرنچ اور انگلش طرز کے بنے ہوئے ہیں ۔ جیسا کہ عرض کیا ہے نمازیوں کی تعداد خاصی تھی اور مزید براں یہ کہ اکثریت نوجوانوں کی تھی ۔ آج کل اس مسجد کا امام ڈابھیل کا ایک نوجوان ہاشم پٹیل ہے ۔ ڈابھیل ہی میں اس نے دینی تعلیم پائی ہے ۔ سات سال سے اس مسجد میں امامت کر رہا ہے ۔ مسجد کے ساتھ ایک دینی درس گاہ ہے جس میں محلے کے ایک سو بچے اور بچیاں قرآن کریم اور اسلامی مبادیات کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ ہاشم پٹیل کے ساتھ ایک اور مولوی صاحب بھی پڑھانے کا کام کر رہے ہیں ۔ ان کا نام مولوی اخلاص ہے اور دیوبند کے رہنے والے ہیں ۔ تحریک اسلامی کے لیے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے ۔ یہ مدینہ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں اور اب سعودی عرب کے دارالافتاء کی طرف سے یہاں مبعوث ہیں ۔ ماریشس میں جتنے بھی سعودی مبعوث ہیں ان کا انتظام اور ذمہ داری اسلامی سرکل نے لے رکھی ہے ۔ یہ اسلامی سرکل کی بڑی فراخدلی ہے کہ وہ اسلام کے بالاتر مقاصد کے لیے ایسے مبعوثین کی ذمہ داری بھی اٹھا رہا ہے جو اسلامی سرکل کی فکر اور نصب العین کے سو فی صد مخالف ہیں ۔

سنی مسجد اب بہت کشادہ کر دی گئی ہے ۔ مسجد نہایت صاف اور وضو کا انتظام نہایت عمدہ ہے ۔ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے بڑے تپاک کے ساتھ خاکسار کو ملنا شروع کر دیا ۔ ایک معمر شخص جناب عبداللطیف صاحب نے ملتے ہی خاکسار سے حافظ محمد انور صاحب کی خیریت دریافت کی ۔ روز ہل کے لوگ حافظ محمد انور صاحب اور ملک محمد حسین صاحب (جو ۱۹۵۶ء میں یہاں آئے تھے اور طویل عرصے تک یہاں رہ چکے ہیں) کو بڑی محبت اور قدردانی

کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

روز ہل کے قادیانی

سُنّی مسجد کے کچھ فاصلے پر روز ہل ہی میں قادیانیوں کی "مسجد" ہے۔ دھال صاحب نے بتایا کہ قادیانی سُنّی مسجد پر بھی قبضہ کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں ناکام کیا۔ یہ پرانا قصہ ہے۔ یعنی ۱۹۲۶ء کے لگ بھگ کی بات ہے کہ ماریشس کے ایک تاجر نے سُنّی مسجد کی تعمیر میں مالی طور پر حصہ لیا۔ بعد میں وہ قادیانی ہوگیا۔ اور اُس نے کوشش کی کہ سنّی مسجد بھی قادیانیوں کے پاس آجائے۔ مسلمانوں نے اس کی شدید مزاحمت کی، مگر اُس دَور میں قادیانی اپنے آقا انگریز کی شہ پر جی رہے تھے۔ کسی قضیے میں اُن کا مقابلہ کرنا آسان کام نہ تھا۔ یہ قضیہ اتنا بڑھا کہ ماریشس کے سپریم کورٹ تک پہنچ گیا۔ اس زمانے میں ماریشس میں خدا کے ایک ایسے بندے بھی موجود تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کے ساتھ نواز رکھا تھا۔ اور وہ ماریشس کے مسلمانوں کے اندر اپنا بڑا اعتماد اور نفوذ رکھتے تھے۔ یہ تھے مولانا عبدالرشید نواب۔ موصوف مکّہ معظمہ کے رہنے والے تھے۔ اور اپنا وقت اکثر ماریشس میں گزارتے تھے۔ چنانچہ مولانا عبدالرشید نواب صاحب نے اس قضیے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سپریم کورٹ میں انہوں نے بڑی طویل بحث کے ساتھ پختہ دلائل وبراہین کی روشنی میں ثابت کردیا کہ قادیانی خارج از اسلام ہیں۔ مسجد کسی قادیانی کی تحویل میں نہیں دی جاسکتی۔ سپریم کورٹ نے جو انگریز ججوں پر مشتمل تھی یہ تسلیم کرلیا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں۔ اور سُنّی مسجد پر صرف مسلمانوں کا حق ہوسکتا ہے۔ ماریشس کے مسلمانوں کے لیے یہ ایک عظیم فتح تھی اور ماریشس سپریم کورٹ کا یہ فیصلہ پہلا فیصلہ ہے جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بیان کردینا بھی مناسب رہے گا کہ ہندوستان سے باہر قادیانیوں کا پہلا بیرونی مشن ماریشس میں قائم ہوا ہے۔ اس وقت پورے ماریشس میں قادیانیوں کے چھ مراکز ہیں جنہیں وہ "مساجد" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور مجموعی طور پر قادیانیوں کی تعداد ۲ ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی شخص اب قادیانی نہیں ہوتا۔ اب قادیانیوں کی تعداد میں اضافہ محض نسلی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ ماریشس کے مسلمان انہیں پہلے بھی غیر مسلم سمجھتے تھے اور اب تو پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کی قرارداد کے بعد اُن کے غیر مسلم ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں رہا۔

کتلے بون نمازِ عصر سے فارغ ہونے کے بعد دھال صاحب مجھے اور جناب محمد حسین ملک صاحب کو کتلے بون لے گئے۔ یہ روز ہِل سے کچھ فاصلے پر ایک الگ شہر ہے۔ وہاں تک جانے کا راستہ نہایت خوبصورت ہے۔ سڑک کے دونوں طرف نہایت حسین و جمیل پودے لگے ہوئے ہیں۔ بیگان ویلی کی جھالروں نے رنگا رنگ بہار دکھا رکھی ہے۔ سبزے کی ایک طویل چادر بچھی ہوئی ہے، جو قدرتِ خداوندی اور صنعتِ انسانی کا حیرت انگیز حد تک خوشنما مرقع پیش کر رہی ہے۔ سڑک سے ہٹ کر دُور دُور تک گنے کے کھیت ہیں۔ قریب ہی تین خوبصورت پہاڑ کبھی گیاہ سبز کی طرف جھانکتے ہیں اور کبھی سمندر کے نیلگوں پانی کی طرف۔ سڑکیں نئی بھی اور صاف و شفاف بھی۔ ہم کتلے بون جا رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی پھوار برس رہی ہے۔ کتلے بون نئی آبادی ہے۔ دکانیں زیادہ تر میمنوں اور کچھیوں کی ہیں۔ زیادہ ہندو ہیں اور کچھ مسلمان۔ ماریشس ایک ایسا ملک ہے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں مِل جُل کر رہ رہی ہیں۔ ہندو اکثریت اور مسلمان اقلیت میں ہیں، لیکن ذہنی اور فکری عصبیت کے باوجود دونوں قومیں باہم دست و گریباں نہیں ہوتی ہیں، بلکہ محمد حسین دھال صاحب نے جو دو روزہ اسلامی سیمینار منعقد کیا ہے، اُس کا افتتاح ہندو وزیر اعظم جگن ناتھ نے کیا ہے۔

کتلے بون سے واپسی پر ہم مہاتما گاندھی انسٹی ٹیوٹ کے پاس سے گزرے۔ اس سے آگے ماریشس یونیورسٹی ہے۔ یہ علاقہ بڑا پُر سکون، دلکش اور فکر انگیز ہے۔ اس انسٹی ٹیوٹ کا اجمالی تعارف ہم آگے چل کر کرائیں گے۔

تین نوجوانوں کی ملاقات آج ۲۴ دسمبر ہے۔ علی الصبح تین نوجوان دھال صاحب کے مکان پہ آئے۔ چونکہ اسلامی سیمینار نے ماریشس کے نوجوانوں کے ایک حلقے میں دین کے جذبات اُبھار دیے ہیں اس لیے اب یہ خواہش اُمڈ رہی ہے کہ دعوتِ دین کا کام آگے بڑھایا جائے۔ ان نوجوانوں کے ساتھ ہماری تفصیل سے گفتگو ہوتی رہی۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ دین کے لیے جو حلقے یہاں کام کر رہے ہیں اُن میں باہم تعاون و اتحاد ہونا چاہیے۔ اور پھر جو لوگ قریب تر ہوتے جائیں اُن کی ٹھوس تربیت کرنی چاہیے۔ اُن نوجوانوں کی گفتگو سن کر اور یہاں کے حالات

کا کسی حد تک مطالعہ کرنے کے بعد خاکسار اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ماریشس کے اندر اسلامی تحریک کے لیے فضا سازگار ہے۔ البتہ اس امر کی ابھی شدید ضرورت ہے کہ یہاں تحریک اسلامی کی بنیادی دعوت کو زیادہ سے زیادہ عام کیا جائے اور اُسی طرز کا تربیتی نظام مختلف سطحوں پر قائم کیا جائے جو تحریکِ اسلامی پاکستان نے تربیت گاہوں کے عنوان سے قائم کر رکھا ہے۔

طلبا کے مجوزہ تربیتی کیمپ

ناشتے کے بعد دوبارہ پورٹ لوئس جانا ہوا۔ دھال صاحب تو خاکسار کے لیے بکنگ کے مسئلے میں مشغول ہوگئے۔ اور خاکسار SIM کے دفتر میں چلا گیا۔ سِم کے صدر عبدالخالق صاحب نے بتایا کہ وہ ۱۹۸۴ء میں دو تربیتی کیمپ قائم کر رہے ہیں۔ ایک جنوری میں ماریشس کے اندر اور دوسرا اپریل میں جزیرہ رینیون کے اندر۔ ان دونوں کیمپوں میں ماریشس اور دیگر اردگرد کے علاقوں کے نوجوانوں کو اکٹھا کیا جائے گا، بلکہ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ ان علاقوں کے اندر چینی آبادی میں کام کرنے کے لیے ملائشیا سے چند چینی نوجوان جو تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہیں، بھی آئیں گے۔ دفتر میں محمود نامی ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ یہ نوجوان نہایت فصیح عربی میں مجھ سے گفتگو کرنے لگا۔ معلوم ہوا کہ یہ جامعہ الریاض کے کلیۃ اللغۃ العربیۃ سے عربی زبان کا کورس کر کے آیا ہے۔ فرنچ زبان بھی اچھی جانتا ہے اور اب سِم کے لیے بعض کتابوں کا عربی زبان سے فرنچ میں ترجمہ کر رہا ہے، لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ نوجوان سعودی عرب میں یا کسی بھی عرب ملک میں ملازمت کے لیے تگ و دو کر رہا ہے۔ عرب ممالک میں ملازمت کی جو وبا پاکستان اور ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے، یہاں کے اُن نوجوانوں کے اندر بھی وہ پھیل چکی ہے جو سعودی عرب کی یونیورسٹیوں سے پڑھ کر آرہے ہیں۔ اوّلاً وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ سعودی دارالافتاء کے مبعوث بن جائیں اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو پھر خود وہاں جا کر ملازمت کی تلاش کرتے ہیں۔

ظہر کی نماز ہم نے پورٹ لوئس کی مرکزی مسجد میں ادا کی۔ اندر کا صحن نمازیوں سے خوب بھر گیا۔ خوب رونق تھی۔ مسجد اپنے فنِ تعمیر کے لحاظ سے بھی بہت پُرشکوہ اور خوبصورت ہے۔ صفائی اور نفاست اور وضو اور طہارت کی سہولت کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔ ایک

بلیک بورڈ بھی نصب ہے جس پر یہ درج ہے کہ فلاں فلاں تاریخ کو پورٹ لوئس کے اندر فلاں صاحب کی تقریب نکاح ہے۔ نکاح کی تقریبات بالعموم مسجد میں منعقد ہوتی ہیں۔

گرڈھی شاہو یونیورسٹی کے پی ایچ ڈی نمازِ مغرب مسجد بیت المقدس میں ادا کی اور پھر نمازِ عشا کے بعد روز ہل کی سُنّی مسجد میں خطاب کیا۔ یہاں لوگوں کو اسلامی موضوعات پر تقاریر سننے کا بڑا شوق ہے اور خاص طور پر باہر سے جب کوئی شخص آجاتا ہے تو وہ شوقِ مزید کے ساتھ اُس کی باتیں سنتے ہیں۔ اگرچہ ایک گروہ یہاں ایسا بھی ہے، جو بعض بیرونی اصحاب کی رہنمائی کے تحت مسلمانوں کے اندر تفریق ڈالنے میں مصروف رہتا ہے۔ مثلاً اس گروہ کی طرف سے مخالفین کو "لہبی" (ابولہب کی طرف نسبت) کے لفظ سے پکارا جاتا ہے۔ پہلے یہ گروہ "وہابی" کی اصطلاح مخالفین کے لیے استعمال کرتا تھا اور اب "لہبی" کی اصطلاح اُس نے شروع کر رکھی ہے۔ اس گروہ کے سرپرست پاکستان سے آتے ہیں۔ ان صاحب کے بارے میں یہاں کے لوگوں نے ایک دلچسپ لطیفہ یہ سُنایا کہ چند سال پیشتر یہاں کے لوگوں کو جب انھوں نے اپنے مخالفین کے خلاف بھڑکانے کے لیے وہابی اور لہبی کی اصطلاحیں سکھانا چاہیں اور اس کے نتیجے میں یہاں کے مسلمانوں کے اندر افتراق پڑنے لگا تو کچھ لوگوں نے ان صاحب کی علمی قابلیت کی تحقیق شروع کی۔ چنانچہ ان کی علمی قابلیت کے ثبوت میں بتایا گیا کہ یہ گرڈھی شاہو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی ہیں۔

اسلام کی بنیادی دعوت سنّی مسجد میں خاکسار کی تقریر سننے والے مختلف الخیال لوگ ہیں، اس لیے خاکسار نے کوشش کی کہ ان کو اسلام کے بنیادی فرائض اور دُنیا میں مسلمان کی اصل ذمہ داری کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی صفوں کے اندر اتحاد کو فروغ دینے کی ضرورت بتائی جائے۔ جیسا کہ پیچھے عرض کر چکا ہوں، یہاں کے مسلمان عجیب و غریب معاشرے کے اندر رہتے ہیں۔ ایک طرف ہندو اکثریت ہے جو اپنی پختہ زناری میں مشہور ہے، ہر گاؤں میں اُس نے اپنے بُت خانے قائم کر رکھے ہیں۔ دوسری طرف عیسائی ہیں، جو بین الاقوامی عیسائی اداروں کے بل پر بے پناہ دولت اور طویل المیعاد منصوبہ بندی کے ذریعے یہاں نصرانیت کا پرچار کر رہے ہیں اور نوجوان نسل کو ہر طرح سے بہکانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اشتراکی اور مادی

افکار کی ہمہ گیر یلغار نوجوانوں کو سرے سے مذہب کے نام سے ہی دُور کر رہی ہے۔ ان باہم متصادم معاشرے کے اندر مسلمانوں، جو بمشکل پانچواں حصہ ہیں، باہم لڑا دینا کوئی کارِ خیر نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہاں کے مسلمانوں کی ضرورت یہ ہے کہ ایک طرف انہیں خود بھی دین پر مضبوط رہنے کی تلقین کی جائے اور اُن کے اندر زیادہ سے زیادہ دین کا شعور بیدار کیا جائے اور دوسری طرف وہ اس قابل ہو جائیں کہ غیر مسلم گروہوں کے سامنے دین کی قولی اور عملی شہادت دے کر انہیں دینِ حق کے نُور سے منوّر کر دیں۔ اگر یہاں بھی مسلمانوں کے اندر اُسی تصور کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے جو عیسائیت کے تصور سے ملتا جُلتا ہو۔ یعنی مسلمان بے شک ہر طرح کی آزادانہ اور شتر بے مہار زندگی گذارتے رہیں۔ اور سال میں چند مخصوص تقاریب منعقد کر کے اور اپنے شیخ کو نذرانوں کے ذریعے خوش کر لیں تو اُن کی بخشش ہو جائے گی، تو ایسا تصورِ اسلام مسلمانوں کو زیادہ دیر تک مخالفانہ مذاہب و افکار کے مقابلے میں کھڑا نہیں رکھ سکے گا۔

راقم نے اِسی پس منظر کو سامنے رکھ کر حاضرین کو اسلام کے بنیادی اُصول بھی بتائے اور اس امر پر انہیں زور دیا کہ وہ اپنی اولاد کو دین کی تعلیم سے فہم و شعور کے ساتھ بہرہ ور کریں، خواتین کے اندر بھی دینی تعلیم کی اشاعت کریں اور جہاں تک ممکن ہو باہم تعاون و یگانگت سے کام لیں۔

(باقی)

ادارہ کے کرم فرماؤں سے ضروری التماس

- براہ مہربانی ادارہ کی طرف سے ارسال کردہ وی۔پی۔پی واپس نہ کریں۔ خریداری یا آرڈر منسوخ کرانا ہو تو قبل از وقت مطلع فرمائیں۔ وی۔پی۔پی واپس کرنا ایک اخلاقی کمزوری ہے اور اس سے ادارہ کو نقصان ہوتا ہے۔
- ادارہ سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔

شکریہ

مینجر ادارہ ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور

"مصالح مرسلہ" بحیثیت ماخذِ فقہِ اسلامی

جناب شفقت حسین خادم صاحب - شعبہ علوم اسلامی یونیورسٹی آف کراچی

(۲)

مصالح مرسلہ کی شرائط مالکی مذہب کی اس دلیل شرعی کے لیے حسبِ ذیل شرائط ہیں:

۱ــــ یہ مصالح اُن مصالح کے مشابہ ہوں جن کا شارع نے اعتبار کیا ہے یعنی کلیاتِ خمسہ کی ضروریات میں سے کسی کی ضرورت سے ان کی مشابہت ہو۔

۲ــــ قطعیہ ہوں کہ ان مصالح کی حصول کا یقین ہو۔

۳ــــ کلیہ ہوں، یعنی ملک وملت کے عمومی فائدے اور مصلحت سے ان کا تعلق ہو۔ اصل یہ ہے کہ جن مصالح کا حصول مقصود اور نصرت کا دفعیہ مقصود ہو۔ وہ بنیادی اُصول اور کلی پالیسی کے خلاف نہ ہوں اگرچہ کہیں ان کا ذکر نہ موجود ہو جیساکہ اس کی تائید حسبِ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:

"کل اصل شرعی لم یشهد له نص معین وکان ملائما لتصرفات الشرع ومأخوذا معناه من ادلة فهو صحیح یبنی علیه ویرجع الیه (الموافقات از شاطبی ج ۱ ص ۳۹)

یعنی "جس اصل شرعی کی شہادت کسی متعین نص سے نہ ملے لیکن وہ شرعی تصرفات کے مناسب ہو اور اس کے معنی شرعی دلائل سے ماخوذ ہوں تو وہ اصل صحیح قرار پائے گی اور اُس سے احکام کا استنباط جائز ہوگا"

مذکورہ مصالح کو حسبِ ذیل مثال سے سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً اسلام اور کفر کی جنگ میں

دشمن نے مسلم قیدیوں کو سامنے کر دیا اور یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان مسلموں پر حملہ نہ کیا گیا تو دشمن کی پسپائی ناممکن ہوگی اور وہ غالب آ جائیں گے۔ ایسی حالت میں باوجود اس کے کہ مسلمان کا قتل ناحق حرام ہے پھر بھی اُن کو تہِ تیغ کر کے دشمن پر حملہ کرنا ضروری ہے اس صورت کا تعلق چونکہ عمومی مصلحت اور دین و ملت کی حفاظت و بقا سے ہے اس لیے قتلِ مسلم کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ بعض فقہاء نے قرآن کریم کی جمع و تدوین، علوم شرعیہ کی تدوین اور دفتر کی ترتیب وغیرہ کو اسی کے تحت بیان کیا ہے۔ لیکن اگر یہ مصلحت کلی ضروری نہ ہو تو غیر معتبر ہوگی۔

مصالح اگر غریب مرسل ہوں (اگر عین وصف کا حکم میں اعتبار مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کسی صورت میں معلوم نہیں اور نہ ملائم کے تین اعتبارات میں کوئی اعتبار اس میں معلوم ہے تو اُسے غریب مرسل کہتے ہیں) اور اُن کے اعتبار کی شہادت کسی اصل خاص سے نہیں ملتی لیکن وہ شریعت کے عام مقاصد کے موافق ہیں تو امام مالکؒ کے ہاں ان کی قبولیت کے لیے یہ شرائط ہیں:

۱۔ مصلحت میں اور مقاصد شرع میں ملائمت ہو اور وہ شریعت کی کسی اصل اور دلیل کے معارض نہ ہو۔

۲۔ معقول ہو کہ جب اہلِ عقول کے سامنے آئے تو اُسے قبول کر لیں۔

۳۔ مصلحت ضروریات اور حاجیات سے متعلق ہو تحسینیات سے متعلق نہ ہو (الاعتصام ج ۲، ص ۱۳۱)

اور اگر یہ مصالح ضروریات سے متعلق ہیں تو انہیں سب قبول کرتے ہیں چنانچہ ابن ہمام لکھتے ہیں مناسب ضروریات خمس میں سے کسی کی حفاظت سے متعلق ہے تو احناف و شوافع سب کے نزدیک اسی پہ عمل لازم ہے اور یہی نہیں بلکہ ان کا اعتبار مجمع علیہ ہے اور اگر وہ مصالح حاجیات سے متعلق ہیں تو انہیں امام مالکؒ قبول کرتے ہیں۔ احناف شوافع قبول نہیں کرتے جیسا کہ مذکورہ بالا شاطبی اور ابن ہمامؒ کے حوالوں کو باہم ملانے سے ظاہر ہے۔

امام غزالیؒ ایسے مصالح کی قبولیت کے لیے یہ تین شرائط عائد کرتے ہیں کہ وہ ضروری، قطعی اور کلی ہوں اور قرطبی فرماتے ہیں کہ ان شرائط کے ساتھ ان کی قبولیت میں کسی کا اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔

ضروری سے مراد یہ ہے کہ وہ ضروریاتِ خمس میں سے ہو یعنی حفظِ دین، نفس، عقل، مال اور حفظِ نسب۔ اور قطعی سے مراد یہ ہے کہ اس سے مصلحت کا حصول یقینی ہو اور کلی سے مراد یہ ہے کہ اُس کا فائدہ تمام مسلمانوں کے لیے عام ہو (نہایۃ الوصول فی شرح

منہاج الاصول از اسنوی ، مکتبہ محمودیہ مصر) ۔علامہ آمدی فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ کی طرف مطلقاً بھی اس کا انتساب صحیح ہو تو وہ بھی انھی قیود کا اعتبار کرتے ہوں گے (الاحکام فی اصول الاحکام از سیف الدین ابوالحسن علی آمدی ، مطبع محمد علی صبیح مصر)۔

جیساکہ اوپر عدوان اسلام کی جنگ میں مسلم قیدیوں کے ضمن میں ذکر ہوا کہ اگر مصلحت کلی ضروری نہ ہو تو معتبر نہ ہوگی، اسی طرح اگر یہ مصلحت کلی نہ ہو تو بھی معتبر نہ ہوگی۔ مثلاً اگر چند آدمی کشتی میں سوار ہوں اور کشتی ڈوبنے لگے اور بعض آدمیوں کو غرق کر دینے سے باقی آدمی بچ جائیں تو اس طرح بعض کا غرق کر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں مصلحت کلی نہیں جزی ہے ، یعنی تمام کے بجائے چند انسانوں کے مفاد سے متعلق ہے۔ اسی طرح اگر یہ مصلحت قطعی نہ ہو تب بھی معتبر نہ ہوگی، مثلاً ان بے گناہ مسلمانوں کو جنھیں ڈھال بنایا گیا ہے ، اگر قتل نہ کیا جائے تب بھی اس کا یقین نہ ہو کہ کفار مسلمانوں پر مسلط ہو جائیں گے یا مثلاً کفار قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کی ڈھال بنالیں تو ان مسلمانوں کا قتل جائز نہیں کیونکہ اول تو قلعے پر قبضہ کرنا ضروری نہیں اور اگر ہو بھی تو اس بات کا یقین نہیں کہ ان مسلمانوں کے قتل کے بعد قلعہ فتح ہو ہی جائے گا۔ (المستصفی ج ۱ ص ۲۹۶ ، ارشاد الفحول ص ۲۴۲)

مصالح مرسلہ سے متعلق امام مالکؒ کے دلائل

آئمہ فن میں امام مالکؒ نے مصالح مرسلہ کے استعمال میں زیادہ وسعت سے کام لیا ہے اور موقع و محل کے لحاظ سے بعض جگہ مذکورہ حدود و قیود کا بھی زیادہ لحاظ نہیں کیا ہے اسی وجہ سے یہ اصول اُن کی جانب منسوب ہے ورنہ اس کی حقیقت سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ اس کے متعلق امام صاحب کے دلائل یہ ہیں:

۱- شارع نے جنس مصالح کا جنس احکام میں اعتبار کیا ہے جیساکہ قیاس کے باب میں تفصیل گذر چکی ہے۔ شارع کے اس اعتبار سے وسعت کا پتہ چلتا ہے۔

۲- نئے احوال و مسائل کے استنباط میں صحابہ کی مثال موجود ہے کہ وہ مطلقاً مصالح کا اعتبار کرتے ہیں، نہ زیادہ بحث و تمحیص میں پڑتے تھے اور نہ کسی دلالت کی تلاش انہیں ہوتی تھی۔ مثلاً کتابت قرآن ، خلافت کے لیے طریق انتخاب ، محکمہ جاتی تقسیم ، قید خانہ وغیرہ کی تعمیر، جمعہ کے لیے نئی اذان (موجودہ پہلی اذان) کا تقرر اور وہ اوقاف جو مسجد نبوی

کے مقابل تھے۔ مسجد کی تنگی کے وقت ان کے احکام میں وسعت وغیرہ۔ یہ ایسے امور ہیں کہ صحابہ نے مطلق مصلحت کے پیش نظر انہیں انجام دیا تھا حالانکہ نہ کوئی مثال موجود تھی اور نہ کوئی نظیر اس طرح گویا مطلق مصلحت کے اعتبار پر اجماع ہو گیا ہے (فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر از تقی امینی ص ۲۴۱-۲۴۲)۔

مصالح مرسلہ سے متعلق فقہا کے گروہ

مصالح مرسلہ سے متعلق فقہاء کے تین گروہ ہیں:

۱- ایک گروہ مصالح مرسلہ کو مطلقاً غیر معتبر خیال کرتا ہے۔ ابن الحاجب کہتے ہیں کہ یہی مذہب مختار ہے اور آمدی اس مسلک کو فقہا کا متفقہ مسلک قرار دیتے ہیں۔

۲- دوسرا گروہ اسے مطلقاً حجت قرار دیتا ہے امام مالکؒ سے یہ مشہور ہے اور امام الحرمین نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن الحاجب نے کہا ہے کہ امام شافعیؒ سے بھی یہی منقول ہے۔

۳- تیسرا مسلک امام غزالی کا ہے اور اسی کو بیضاوی نے اختیار کیا ہے کہ اگر وہ مصلحت ضروری، قطعی اور کلی ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ غیر معتبر سمجھی جائے گی۔

بقول اسنویؒ، ابن الحاجب اور امام الحرمین دونوں امام شافعی سے متعلق نقل کرتے ہیں کہ مصالح مرسلہ کو تسلیم کرتے تھے، مگر امام الحرمین یہ کہتے ہیں کہ بشرطیکہ وہ مصالح شارع کی بیان کردہ مصالح کے ساتھ مشابہت رکھتی ہوں۔

(آثار امام شافعی از ابوزہرہ، ترجمہ رئیس احمد جعفری ص ۲۰۳، شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور)

مصالح مرسلہ کی مثالیں

۱- کاریگر سے تاوان وصول کرنا مصلحت عامہ کا تابع ہے۔ اگر کاریگر سے کسی کی چیز ضائع ہو جائے تو اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ چنانچہ خلفائے اربعہ نے اُن پر ضمانت کا فیصلہ کیا ہے اور حضرت علیؓ تو فرماتے ہیں "اس کے بغیر اصلاحِ احوال نہیں ہو سکتی"۔

۲- فوجی اخراجات کی کفالت، نیز ملک کے دفاع کی خاطر امراء پر ٹیکس لگانا، بعض فقہا کا خیال ہے کہ ایسے مواقع پر قرضے لیے جائیں چنانچہ اس کے جواب میں علامہ شاطبی لکھتے ہیں "ہنگامی حالات میں قرضہ اس وقت لینا چاہیے جب آمدنی کی کوئی صورت ہو، لیکن اگر آمدنی کے

مضبوط ذرائع نہیں ہیں یا اس کی امید نہیں ہے تو پھر ٹیکس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

۳- ایک قتل کے جرم میں قاتلین کی جماعت کو قتل کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کے قتل کے جرم میں ایک جماعت کو سزائے قتل دی کیونکہ یہ سب سزائے قتل میں شریک تھے یہ مصلحت پر مبنی سزا تھی منصوص نہ تھی۔

مصالح مرسلہ کی اہمیت سوائے امام داؤد ظاہری کے تمام ائمہ دین اس بات پر متفق ہیں کہ معاملات سے تعلق رکھنے والے مسائل شرعیہ کے عقلی پیمانے استعمال کیے جاتے ہیں اور ان مسائل کے شرعی احکام مصالح اور رفاہِ عامہ پر مبنی ہیں۔ اگر شرع ان مصلحتوں کا جواز یا عدم جواز نص یا قیاس سے واضح کر دے تو اس کی تعمیل واجب ہوگی لیکن جب شرع مسائل کے بارے میں خاموش رہے تو ایسے امر میں مصالح عامہ سے استصواب کیا جا سکتا ہے (فلسفہ شریعتِ اسلام)۔ دراصل مصالح مرسلہ کو شرعی احکام میں داخل کرنا اس امر کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اسلامی اجتہاد کا دائرہ بہت وسیع ہے اور اس میں شریعت کی اصل روح اور اس کے مقصد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اگر اس کی صحیح روح اور اس کے اصل مقاصد کی حفاظت ہوتی ہو اور اس سلسلے میں نص شرعی کی لفظی پابندی سے کسی قدر انحراف ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ عوام کے مصالح ان پر غالب رہیں، لوگوں کی ضرورتیں پوری ہوں اور شریعت کے بنیادی مقاصد محفوظ رہیں اور اس طرح عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار کی حفاظت ہو سکے گی جس کا پتہ ترجیح اور مقابلے کے بعد ہی چل سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر ہم فقہ اسلامی کے اصولوں پر غور و فکر سے کام لیں یعنی کتاب، سنت، اجماع، قیاس، استحسان اور مصالح مرسلہ وغیرہ اور ان اصولوں کا دوسری شریعتوں (یا نظام ہائے قانون) سے مقابلہ کریں تو یہ واضح ہو جائے گا کہ اسلامی شریعت کا دائرہ بہت وسیع ہے وہ نہ صرف عدل و انصاف کی حامی ہے بلکہ امن و امان اور عوام کی بھلائی کے ذرائع بھی مہیا کیے گئے ہیں نیز یہ حقیقت بھی آپ پر واضح ہو گئی ہوگی کہ اسلامی شریعت

(باقی بر صفحہ ۵۶)

Back inner page is missing in the month

back page is msissing in the month